سچ کی تلاش

اصحاب الفیل

(سائنسی جائزہ)

گروپ کیپٹن (ر) امتیاز علی

اوریجنل ریسرچ سنٹر
10- علی ٹاؤن، سٹریٹ-3
اڈیالہ روڈ۔ راولپنڈی۔ پاکستان

5-نومبر 2012
19-ذوالحج 1433 ہجری

سچ کی تلاش

اصحاب الفیل

(سائنسی جائزہ)

e-BOOK#2

گروپ کیپٹن (ر) امتیاز علی

اوریجنل ریسرچ سنٹر

10-علی ٹاؤن، سٹریٹ-3

اڈیالہ روڈ۔راولپنڈی۔پاکستان

5-نومبر 2012

19-ذوالحج 1433 ہجری

وما ارسلنٰك الا رحمة ا للعالمين

اورہم نے آسان کردیا قرآن سمجھنے کو، پھر ہے کوئی سوچنے والا؟ سورۃ قمر۔۵۴؛ آیت،۴۱

کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہیں۔۔سورہ محمد؛۲۴

وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی اس کو بڑی نعمت مل۔اور نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔بقرہ۲۶۹

کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور نصیحت تو وہی پکرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔زمر۔۹

ہدایت نبوی ﷺ۔حجۃ الوداع "سنو: جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔"

پیغمبر اعظم و آخر۔ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ص ۶۴۸

اللھم ارنا حقائق کل الاشیاء کما ھی

اے اللہ ھمیں تمام اشیاء کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرما

اس حدیث پاک کا ایک ایک لفظ جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے،خصوصا الفاظ۔ " ہمیں"، "تمام"،اور "اصلی"، خاص توجہ کے قابل ہیں۔رسول پاک ﷺ اشیاء کا علم خود اپنے لئے ہی نہیں بلکہ امت کے ہر فرد کے لئے چاہتے تھے۔سبحان اللہ، کیا کرم ہے۔ تمام سے مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی کائینات میں ایسی باقی نہ رہ جائے جس کا علم کسی مسلمان کو نہ ہو۔اصلی سے مقصد یہ ہے کہ حقیقت معلوم ہونے میں بال برابر شبہ یا کسر نہ رہے۔علاوہ ازیں حجو را کرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ؛۔

تفکر ساعه خیر من عبادة ستین سنته

یعنی ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ھے۔

ان آیات اور احادیث کو پڑھنے کے بعد یقیناً ہر وہ مسلمان جس کے دل میں اللہ تعالی اور رسول کریم ﷺ کی ذرا سی بھی عزت ومحبت ہے۔شرم سے اپنا سر نیچا کرلے گا اور یہ سوال کرنے کی ہرگز جرات نہین کرے گا کہ ہمارے قومی زوال اور تباہی کی کیا وجوہات ہیں۔

سلسلہ توحیدیہ۔گوجرانوالہ۔

ایک پاکستانی ہوا باز کا خواب

ہماری بہن سیدہ حمیرا مودودی نے اپنے جلیل القدر والدین کی یاد میں اپنی چند یادداشتیں قلمبند کی ہیں۔ ان یادوں میں انہوں نے ایک واقعہ کا حوالہ دیا ہے۔ جوان دنوں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے سرکاری اداروں کو دیکھ کر بہت اہم لگتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو معلوم ہے کہ اسرائیل دریائے نیل سے دریائے فرات تک کے علاقے کو اپنی کھوئی ہوئی آبائی سرزمین سمجھتا ہے اور اس کی یاددہانی کے لئے اس نے اپنی پارلیمنٹ کے دروازے پر اسے لکھ بھی دیا ہے۔ سیدہ لکھتی ہیں کہ 1978ء کے دوران میں تعطیلات کے لئے جدہ سے لاہور آئی ہوئی تھی۔

کہ ایک روز مغرب کے بعد پاکستان ائرفورس کے دو سکواڈرن لیڈر سرگودھا سے ابا جان (مولانا مودودیؒ) سے ملنے آئے۔ ان میں سے ایک صاحب جو دیکھنے میں بہت مضطرب نظر آرہے تھے کہنے لگے کہ مولانا میں نے ایک خواب دیکھا اور جب سے دیکھا ہے میں اس قدر بے چین اور بے کل ہوں کہ نہ نیند آتی ہے نہ بھوک لگتی ہے اور نہ کوئی کام دلجمعی کے ساتھ کر سکتا ہوں۔ **وہ خواب یہ ہے؛۔**

" کہ میں مدینے گیا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ مدینہ تو پورے کا پورا بم باری سے تباہ ہو چکا ہے۔

نہ مسجد نبویؐ ہے نہ گنبد خضرٰی ہے نہ کوئی گھر اور عمارت سلامت ہے اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے۔

جب اس مقام پر آتا ہوں جہاں روضہ مبارک ہے تو دیکھتا ہوں،

کہ آنحضرت ﷺ کچی قبر کے باہر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

کہیں قریب سے ہی بہت سے لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز آتی ہے۔

میں اس طرف دیکھتا ہوں تو ایک تہہ خانے میں سیڑھیاں اترتی دکھائی دیتی ہیں۔

میں فوراً نیچے تہہ خانے میں چلا جاتا ہوں ابھی آدھی سیڑھیاں ہی اترا ہوں تو دیکھتا ہوں،

کہ چھ سات یہودی صرف جانگئے پہنے بڑے بڑے چھرے ہاتھوں میں لئے،

انسانی لاشوں کے ٹکڑے کر کے ڈھیر لگا رہے ہیں،

اور دیواروں پر بھی بے شمار انسانی لاشیں لٹکی ہوئی ہیں اہل مدینہ کی۔

میں یہ منظر دیکھ کر الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگتا ہوں اور پہنچ کر دیکھتا ہوں،

کہ؛۔ آنحضرت ﷺ التحیات پڑھ کر سلام پھیر رہے ہیں۔

سلام پھیر کر میری طرف دیکھ کر فرماتے ہیں ''فکر نہ کرو یہ گوشت بکے گا نہیں''۔

اور فوراً ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں بہت ہی بے کل ہوں اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟"

اگرچہ ابا جان خوابوں کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتے تھے وہ حقائق کی دنیا اور منطقی اصولوں کو ایمان کے تابع لا کر زندگی بسر کرنے کے داعی تھے لیکن یہ خواب سن کر حیران ہوتے جاتے تھے کہ ایسے خواب تو ولیوں کو بھی نصیب نہیں اس کلین شیو کو یہ سعادت کہاں سے ملی۔ گویا مستقبل میں ایسے نوجوان ہی ملت کی قیادت کریں گے اور یہی لوگ حرمین کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائیں گے۔ ابا جان نے ان نوجوان ہوا بازوں سے کہا ''رسول پاکؐ کی حدیث مبارکہ جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اس میں فرمایا ہے کہ ''جب جنگوں پر جنگیں ہوں گی تو اللہ غیر عرب اقوام میں سے ایک قوم کو اٹھا کر کھڑا کرے گا وہ شہسواری میں عربوں سے بہتر اور اسلحے میں ان سے برتر ہوں گے ان کے ذریعہ اللہ اپنے دین کی مدد کرے گا''۔ پھر کہا کہ یہ خواب اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ''(آخر زمانے میں) ایسے لوگ آئیں گے جو پرندوں کی طرح

تیز رفتار اور درندوں کی طرح ظالم ہوں گے۔'' یعنی آج ہمیں اس کا یہی مطلب سمجھ آتا ہے کہ جنگی جہازوں پر سوار ہو کر اپنے ملک سے اڑیں گے اور بڑی بے رحمی سے اپنے محافظوں کے بچوں اور بوڑھوں، عورتوں اور مخلوق خدا کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ ان کے ہاتھوں نہ جان و مال محفوظ ہوں گے نہ عزت و آبرو۔ تیسری حدیث یہ ہے کہ حضورؐ نے ابوذر غفاریؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذرؓ جس وقت مدینے میں اتنی بھوک ہوگی کہ تو اپنے بستر سے کھڑا ہو کر مسجد تک نہ جا سکے گا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جب مدینے میں اتنا قتل ہوگا کہ خون چکنے پہاڑ (الحجاز الزیت) کو ڈھانپ لے گا۔ پھر ابا جان نے حدیث دجال سنا کر کہا کہ آپ کا خواب اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ آئندہ صلیب و ہلال کے معرکوں میں ائر فورس فیصلہ کن کردار ادا کرے گی اسی لئے اللہ نے یہ خواب ایک جنگی پائلٹ کو دکھایا۔ حرمین الشریفین کی حفاظت اب آپ کی ذمہ داری ہے ایک حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد انہی علاقوں سے فوج ان کی مدد کو پہنچے گی جو غیر عرب ہوں گے اور اسلحہ اور فن سپہ گری میں ان سے بہتر ہوں گے۔

یہ تعبیر سننے کے بعد جب وہ پائلٹ پرسکون ہو کر جانے لگے تو ابا جان نے بیماری اور نقاہت کے باوجود کھڑے ہو کر ان سے الوداعی مصافحہ کیا اور اصرار کر کے انہیں اپنے کمرے کے دروازے تک رخصت کرنے آئے اور کہا کہ ''آپ نے خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت کی ہے اس لئے آپ بھی تکریم کے لائق ہیں۔ اب آپ اپنی بے کلی اور بے چینی جو مجھے دے کر جا رہے ہیں نہ جانے میں کب تک اس کیفیت میں مبتلا رہوں گا۔ اس روز جب ابا جان کھانے پر اندرون خانہ آئے تو ان کے چہرے پر خلاف معمول شدید اضطراب تھا۔ انہوں نے یہ خواب اور اپنے تاثرات بیان کئے تو ہم دہشت زدہ ہو کر رہ گئے''۔

آج کے حالات ہم سب کے سامنے ہیں کچھ مزید عرض کرنے اور اس تحریر میں اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اقبال کا ایک مصرعہ بے ساختہ یاد آتا ہے کہ:۔ میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

پاکستان کسی مقصد کے لئے وجود میں آیا تھا۔ اسے اس کے بنیادی مقصد سے بھٹکانے والے کامیاب نہیں ہوں گے اور میر عرب کو یہیں سے ٹھنڈی ہوا آئے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ عبدالقادر حسن کالم: غیر سیاسی باتیں بشکریہ روزنامہ جنگ راولپنڈی

تاریخ: 2 اکتوبر 2005ء 27 شعبان 1426ھ

مسجد نبوی کی تسویریں

انتساب

پاکستان ائیرفورس کے تمام ہوابازوں کے نام جو ہمہ وقت اس
دن کی تیاری اور ٹریننگ میں مصروف ہیں اور اس وقت کے
انتظار میں ہی جب پروردگار وقت مقررہ پر ان خوش قسمت ہو
بازوں کو حرمین شریفین کی حفاظت کی ذمہ داری سونپے گا۔

اور

اپنے پائلٹ بیٹے سکواڈرن لیڈر (ر) عامر امتیاز کے نام
جو پاکستان ائرفورس کے ہوابازوں میں 1991-2006 تک شامل رہا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	پیش لفظ	
2	تعارف	
3	افتتاحیہ	
4	سورۃ الفیل معہ ترجمہ وتفسیر تفہیم القران	
5	واقعہ فیل کی سائنسی تشریح	
6	پرندوں کے کنکروں سے انسانوں جانوروں کے قتل زخمی ہوسکنے کا ثبوت	
7	حرکت کے کلیئے	
8	کشش ثقل کے تحت حرکت کے کلیئے	
9	بندوق کی گولی کی قوت ہلاکت	
10	اصحاب الفیل کی ہلاکت کی سائنسی توجیہ وتفصیل	
11	کنکروں کا تخمینی وزن	
12	پرندوں کا اندازہ	
13	عربوں پر نفسیاتی اثرات	
14	بیماری کی توجیہ وتفصیل (گیس گنگرین)	
	ابرھہ کی فوج کی ہلاکت میں نفسیاتی پہلو کا حصہ اَور بھگدڑ Stampede کا حصہ	
	اختتامیہ	
	ریفرنس	

تعارف

یہ کتاب 1979 میں لکھنی شروع کی تھی اور 1982 میں مکمل ہوئی۔ جب میں بطور ائیر اتاشی دہلی گیا تو ہمدرد اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، تغلق آباد، دہلی کو نظر ثانی کے لئے دی۔ انہوں نے پندرہ روز کے بعد مجھے بلایا تو وہاں کی تمام فیکلٹی یا شعبے جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، وغیرہ کے سرسراہان موجود تھے۔ انہوں نے مجھ سے مختلف سوال پوچھے۔ آخر میں ڈائریکٹر سید آفاق علی صاحب کہنے لگے کہ آپ کی اس کتاب نے ہمیں کلام پاک میں ریسرچ کرنے کے لئے نئے طریقے اپنانے پر قائل کرلیا ہے۔ ورنہ آج تک ہم روایتی انداز سے ہی ریسرچ کر رہے تھے۔ میری اجازت سے انہوں نے کتاب کی فوٹو کاپیاں بنا کر اپنی لائبریری میں رکھ لیں۔

1986 میں پاکستان واپسی کے بعد میں نے اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ تفسیر سے رابطہ کر کے ان کو کاپی دی اور نظر ثانی کے ساتھ ساتھ اپنی رائے لکھنے کی بھی درخواست کی جو میں بطور اتھارٹی ساتھ چھاپ سکوں۔ مگر ایک سال کی کوشش کے باوجود نہ ہی رائے ملی نہ ہی کاپی واپس مل سکی۔ اس سے آپ علمی رویوں کا موازنہ کرلیں کہ ہم لوگ علم دوست یقیناً نہیں بنتے۔ 1991 میں ائیر فورس چھوڑنے کے بعد سول کمپنیوں میں کام کی مصروفیات ایسی تھیں کہ علمی کام ممکن نہ تھا۔ 2005 میں سروس چھوڑ کر پھر علمی کام کی طرف توجہ دی تو کتاب پر نظر ثانی کی۔

روس کی افغانستان میں ناکامی اور کمیونزم کے سسٹم کی شکست نے انٹرنیشنل فضا بالکل ہی بدل دی ہے۔ مغرب نے اب اسلام کو تہذیبوں کے تصادم کے نام پر اپنا مد مقابل قرار دیا ہے۔ اور قدرتی طور پر تمام مسلم ممالک پر غلبہ حاصل کرنا اور اسلام کا راستہ روکنا مقصد بنالیا ہے۔ جیسے کہ جنگ عظیم دوم کے بعد کمیونزم کا راستہ روکنے کو مقصد بنایا گیا تھا۔ تب مد مقابل دو معاشی نظام تھے اب مقابلہ مذاہب میں ہے یعنی اسلام کے ماننے والوں اور باقی تمام مذاہب والوں میں بن گیا ہے۔ اور اسی بنا پر ہی صف بندی یا Alignment ہو رہی ہے۔ جبکہ یہودیوں کی اسلام دشمنی اور گریٹر اسرائیل کا منصوبہ بھی چل رہا ہے۔ 9/11 کے خود ساختہ ڈرامے کے بعد امریکہ اور مغربی دنیا نے دنیائے اسلام پر یلغار کر دی ہے۔ اور اب نوبت اس حد تک آ پہنچی ہے کہ اگست 2007 میں امریکی صدارتی امیدوار نے مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنے کو جائز قرار دینے کی تجویز دی ہے۔ اس تناظر میں 1978 کا "پائلٹ کا خواب" مستقبل میں حقیقت کا روپ دھارتا نظر آتا ہے۔ اس لئے پاکستان ائیر فورس کے پائلٹوں کو حضور اکرم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں پہلے دن سے ہی یہ نیت کرنی چاہیے اور اس جذبہ کے ساتھ پوری توجہ، انہماک سے ٹریننگ کرنی چاہیے کہ اگر مکہ مدینہ سے بلاوا آتا ہے تو وہ اس ٹاسک کے اہل ہوں۔ اور حضور اکرم ﷺ کو واقعی پاکستان سے ٹھنڈی ہوا آئے اور ہم سب اس بشارت پر پورا اتریں۔ آمین

ہندوؤں کے پاکستانی مسلمانوں کے بارے کیا ارادے ہیں، ان کی جھلک میں نے چند واقعات کے ذریعے آگے دی ہے۔ یہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اور ہمیں اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرنے کی فکر کرنی چاہئے، جو کہ ہم نہیں

کر رہے۔ بلکہ ہم پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرتے جا رہے ہیں۔ ابھی بھی سنبھلنے کا وقت ہے تا کہ ہم ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر قربان کرنا سیکھ لیں۔

میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں بھی, 1961-1991 تک اور میرا بیٹا 1991-2006 تک، پی اے ایف کے پائلٹوں کا حصہ رہے ہیں، اور ہم دونوں، ان خوش نصیب پائلٹوں کو جو اس بشارت کا حصہ بننے کے لئے چنے جائیں گے، کے لئے دعا گو ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

ہر کام کے ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ یہ تبھی ہوتا ہے۔ تبھی کسی کو خیال آتا ہے۔ جب ہی کوئی اسے شروع کرتا ہے یا پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے، جب مشیت الٰہی ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہیے یعنی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡن اور ساتھ ہی رہنمائی بھی لینا اَهۡدِنَا الصِرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡم ۔ اس رہنمائی سے خیالات جنم لیتے ہیں۔ اسی سے صحیح سوچ پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی سے کام پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ جس سے دوسرے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہی حال اس تحقیق کا ہوا ہے. کہ 2012ء میں، الحمدللہ رب العالمین، اب یہ کام آ کر مکمل ہوا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

اللہ تعالی سے التجا ہے کہ وہ میرے اس چھوٹ سے حقیر کام کو قبول فرمالے اور میری بخشش کا ذریعہ بنادے۔ آمین

گروپ کیپٹن (ر) امتیاز علی

10 علی ٹاؤن، سٹریٹ 3 اڈیالہ روڈ۔ راولپنڈی۔ جمعۃ المبارک۔ 25 رجب، 1428ھ 10 اگست 2007ء

اپڈیٹ. ۔25 ذوالحج 1433ء ہجری 11 نومبر 2012

0345-5366081 / 051-5571398

Email: ch.imtiazali@gmail.com

ء

ہندوؤں کے ہمارے بارے ارادے

اللہ تعالی نے ہمیں ہندوؤں سے بچالیا تھا مگر کیا ہم بچنا نہیں چاہتے؟

1۔ میں 1982ء سے 1986ء تک دہلی میں ائیر اتاشی متعین رہا تھا۔ وہاں کے چند تجربات نوجوان پائلٹوں کی نسل کے ساتھ شئیر کرنے ضروری ہیں تا کہ ان کو معلوم ہو کہ ائیر فورس کی ملازمت صرف حصول رزق کا ذریعہ نہیں ہے یا ایک پیشہ نہیں ہے، بلکہ ان کے کندھوں پر ہر پاکستانی مرد، عورت، بچے کی فضائی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہے۔ ہندوؤں کے پاکستانی مسلمانوں کے بارے کیا خیالات اور ارادے ہیں، ان سے ہر پاکستانی کو عموماً اور مسلح افواج کے ہر فرد کو خصوصاً معلوم ہونا چاہیے۔ تبھی وہ جذبہ اور مقصد پر یقین حاصل ہوگا جو کہ فتح کا ضامن ہوا کرتا ہے اور تبھی غیبی امداد ملتی ہے۔

2۔ مولانا آزاد نے ایک دفعہ قائداعظم سے کہا کہ "جناح۔ جتنے مسلمان اپنے ساتھ لے جا رہے ہو اس سے زیادہ ہندوستان میں پیچھے چھوڑے جا رہے ہو"۔ اس پر اس مرد مومن اور اللہ کے ولی نے فوراً جواب دیا، میں سب مسلمانوں کو نہیں بچا سکتا۔ جتنوں کو بچا سکتا ہوں بچالوں گا۔

I cannot save them all. I will save as many as I can.

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہندوؤں کے استحصال سے بچالیا تھا۔ آج جو ترقی دیکھتے ہیں وہ پاکستان کی مرہون منت ہے۔ بجائے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے اور سجدہ میں گرنے، احسان مند ہونے اور پاکستان کی مضبوطی و استحکام کے لئے کوشش کرنے کے، ہم پر ہر تکلیف یا خالی پر پاکستان کو ہی گالیاں نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ میرے خیال میں ہم وکھری ٹائپ کے لوگ ہیں جو کہ جسکا کھاتے ہیں اسی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنے اور توبہ کر کے اصلاح کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کہانیاں کافی ہونی چاہیں۔

ہم آپ کو غیر ملکی تصور کرتے ہیں

میں 6 جون 1982 کو کراچی سے دہلی پہنچا۔ پہلے سات دن میری فیملی قطب ہوٹل میں ٹھہری کیونکہ گروپ کیپٹین الطاف خواجہ نے یہیں انتظام کیا ہوا تھا۔ رات کو ہم سیر کے لئے نکلے۔ ساتھ ہی مارکیٹ تھی۔ ہم نے پانچ آئس کریم کا آرڈر دیا تو دکان دار کاغذ پر قیمت کا حساب لگانے لگا۔ تو میں نے گفتگو کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لئے کہا کہ ہم نے تو سنا ہوا تھا کہ آپ لوگ حساب کتاب میں ماہر ہوتے ہیں مگر آپ تو ایسے نہیں لگتے۔ اس پر دکاندار نے بتایا کہ وہ انڈین امیگریشن میں انسپکٹر تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد دکان کھولی ہے۔ ابھی دکانداری کی عادت نہیں پڑی۔ اس طرح گفتگو چل نکلی تو وہ کہنے لگا کہ ہم ہندوستانی آپ کو غیر ملکی Foreigner تصور کرتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ یقیناً ہم پاکستانی غیر ملکی ہیں اس پر اس نے اصلاح کرتے کہا کہ نہیں میرا مطلب پاکستانیوں سے نہیں بلکہ تمام ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں سے ہے۔ ہم تمام ہندوستانی مسلمانوں کو بھی غیر ملکی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ غیر ملکی مذہب کو مانتے ہیں۔ ہندوستان میں رہنے والوں کو ہندو مذہب یا ملکی مذہب کو ماننا ہوگا۔ تمام کرسچن اور مسلمانوں کو ان کے مذہب کے علاقوں میں جلد جانا چاہتے۔ میں نے شکایتاً کہا کہ پہلی ملاقات پر ہی وہ ایسی بے رخی اور غیر دوستانہ بات کر رہا

ہے جو مناسب نہیں لگتی۔اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے سچ بات بتا دی ہے میں نے اسکا شکریہ ادا کیا۔

ہندوؤں کے نیشنل مقاصد:

ایک پارٹی میں میں میس کٹ میں تھا تو ایک آدمی نے اپنا تعارف بطور صحافی ملک راج کے نام اور گروپ کیپٹن خواجہ صاحب کے دوست کے طور پر کرایا۔کچھ دیر بعد کہنے لگا کہ میرا ایک مقصد زندگی ہے۔میں نے تعریف کرتے کہا کہ بہت اچھی بات ہے کہ تمہاری زندگی کا کوئی مقصد ہے عام طور پر لوگ بغیر کسی مقصد کے زندگی گزار جاتے ہیں۔اس پر کہنے لگا کہ آپ نے پوچھا نہیں کہ وہ مقصد کیا ہے؟ میرے پوچھنے پر کہنے لگا کہ میرا مقصد تمام مسلمانوں کو ہندو بنانا ہے۔میں نے ہنس کر کہا کہ پہلے تمہارے یہاں ہندو کم ہیں کہ تمہیں اور ہندو بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔وہ کہنے لگا کہ آپ نے میرے مقصد کا مذاق اڑا دیا ہے، میں واقعی سنجیدہ ہوں۔اس لئے کہ ہندوستانی مسلمان پہلے ہندو ہوتے تھے ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔اب انہیں دوبارہ ہندو بن جانا چاہیے۔اس پر میں نے کہا کہ چلو میں تمہارے کہنے پر ہندو بن جاتا ہوں تو تم ذات پات میں مجھے کہاں فٹ کرو گے تو کہنے لگا کہ شودر سے نیچے۔میں نے اب خفگی سے بتایا کہ کوئی پاگل ہی اونچے مقام سے نیچے مقام تک خود جانا چاہے گا۔تمہیں پتہ ہونا چاہئے کہ چند ماہ پہلے، پورے کے پورے چند ہندو گاؤں مسلمان ہو گئے تھے کیونکہ وہ نیچی زات سے اوپر آنا چاہ رہے تھے۔اس کی رپورٹ انڈیا ٹوڈے میں آئی ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے بتانا ظروری ہے تا کہ بات سمجھ میں آجائے۔

یہ کہانی کچھ یوں ہے کہ جنوبی ہندوستان میں چند گاؤں کے تمام نچلی ذات کے ہندو مسلمان ہو گئے تو تمام انڈیا میں شور شرابا ، کہرام مچ گیا۔لوگوں نے سعودی عرب پر الزام لگایا کہ پیسے دے کر ان کو مسلمان کیا گیا ہے۔انڈیا ٹوڈے میگزین کی ٹیم نے جا کر تفتیش کی۔انٹرویو لئے ،تو عورتوں کا جواب ایک ہی تھا کہ مسلمان ہونے سے ہمارا درجہ اونچا ہو گیا ہے۔پہلے جب ہم کنوئیں سے پانی بھرنے جاتی تھیں تو ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا تھا، جب تک اونچی ذات کی عورتیں پانی بھر کر چلی نہ جاتیں۔اب مسلمان ہونے کے بعد ہم ان کے ساتھ لائین میں لگ جاتی ہیں۔وہ اعتراض نہیں کر سکتیں کیونکہ اب ہم درجہ میں ان کے برابر ہیں، کم نہیں۔اس کا ملک راج کے پاس جواب نہیں تھا۔

ہندو پنڈت کی پاکستان کے خلاف سازش کی پلان کا افشاء

1۔ 1985 کی بات ہے۔میں دہلی میں پاکستانی سفارت خانے میں ایئر اتاشی متعین تھا۔ہمدرد اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے ہمارے سفیر ہمایوں خان صاحب کو ایک لیکچر کے لئے مدعو کیا۔وہ نہ جا سکے تو انہوں نے مجھے بھجوا دیا۔لیکچر اسلام کے موضوع پر تھا۔اور کشمیر کے سابق راجہ ڈاکٹر کرن سنگھ کا تھا۔لیکچر کے بعد انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر سید اوصاف علی نے ایک بہت بوڑھے پنڈت سے ملایا اور درخواست کی کہ اپنے ساتھ پنڈت کو لیتا جاؤں۔وہ میرے گھر A11/10 وسنت وہار کے بالکل پاس رہتے ہیں۔میرا گھر تقریباً 45 منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔

۔ راستے میں دس پندرہ منٹ کی گپ شپ کے بعد پنڈت صاحب کہنے لگے۔کہ بیٹا تم بہت سچے اور کھرے آدمی لگتے ہو۔

ڈپلومیٹ کی طرح نہیں۔اس لئے میں بھی تم سے سچ بول سکتا ہوں۔میں نے کہا کیوں نہیں۔سچ ہی بولیں گے تو ایک دوسرے کو سمجھ کر ایک دوسرے کو برداشت کرنا سیکھیں گے۔ہمسائے ہیں۔رہنا تو ساتھ ہی ہے۔بولے کہ تم پاکستانی مسلمان بڑے عجیب ہو۔ ابھی تک ہم تمہیں کنٹرول نہیں کر پا رہے۔ بات آگے بڑھی تو کہنے لگے کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تھا۔تو صرف ایک قوم تھی جس کے دل میں اب بھی حکومت کا خناس تھا۔ وہ مسلمان تھے۔اس میں سے تم نے پاکستان بنا کر اپنے آپ کو بچالیا۔باقی مسلمانوں کے ساتھ ہم نے ایسی پالیسی اپنائی کہ وہ ایک نسل کے بعد مالی لحاظ سے صفر ہو گئے ہیں۔اب تو صرف ARTIZEN یا ہاتھ سے کام کرنے والے کمی بن گئے ہیں۔دوسری قوم جس میں حکومت کا خناس تھا۔وہ سکھ تھے۔ان کو ہم نے 1984 میں ہمیشہ کے لئے زیرو کر دیا ہے۔ان کے صوبے کو تین میں تقسیم کر کے بالکل محدود کر دیا ہے۔تیسری قوم عیسائیوں کی ہے۔وہ حکومت نہیں کرنا چاہتے مگر اپنے آپ کو ہم سے برتر سمجھتے ہیں۔اس لئے ہم نے ان کو جلانے سے شروع کیا ہے۔(ان دنوں کسی آسٹریلوی پادری نن اور چرچ کو جلایا گیا تھا)۔مقصد صرف ڈرانا ہے۔جلدی ڈر جائیں گے۔

۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ہمارے ساتھ کیا کرنا ہے؟ تو ہنس کر کہنے لگے کہ تم پاکستانی مسلمان اکھڑ مرد کی طرح ہو۔جبکہ ہندو فطرتاً عورت کی طرح ہے۔اگر کوئی عورت یہ چاہے کہ وہ کسی مرد سے شادی کرے تو وہ کبھی پہل نہیں کرتی۔ایسے حالات پیدا کرتی ہے کہ مرد کے دل میں اس کے لئے کشش پیدا ہو۔اور مرد ہی پرپوز کرے شادی کے لئے۔ہم نے بھی یہی کرنا ہے کہ تمہارے لئے ایسے حالات پیدا کرنے ہیں۔کہ تم لوگ خود ہمارے پاس آ کر کہو۔کہ ہم سے 1947 میں غلطی ہو گئی تھی۔ہمیں پھر سے واپس لے لیں۔ایک دفعہ ایسے ہوا تو ہم تمہیں عورت ہی کی طرح ہمیشہ کے لئے غلام بنالیں گے۔

۔ میں نے کہا کہ اکھڑ مرد کا بھی آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ وہ شادی کے بعد بھی حاوی ہو جاتا ہے۔ضروری نہیں کہ جورو کا غلام بن جائے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ عورت ہم پر حاوی ہوتی ہے یا ہم عورت کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔اس کے بعد پھر ہلکے پھلکے موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی۔میں نے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔مگر میرا خیال ہے کہ حکومت سے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے وہ کترا گئے۔

۔ ہمارے موجودہ حالات کو جب میں دیکھتا ہوں تو پنڈت صاحب کی باتوں کی سچائی کی جھلک نظر آتی ہے۔ہماری پبلک انڈیا کی دیوانی ہے۔ان کے کلچر کو اپنانے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگاتے۔اب زبان میں بھی ان کے الفاظ فوراً اپنا لیتے ہیں۔ان کے اداکار یا ایکٹرسیں آ جائیں تو پاگل ہو جاتے ہیں۔اس کے باوجود ہندو ہمارے کسی آدمی کو بے عزت کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ میرے خیال میں یہ ان کا احسان ہے کہ ہمیں یاد دلاتے رہتے ہیں کہ وہ ہمیں دل سے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

8۔ امریکہ اور ہندو نے کافی عرصہ سے (1984 سے) ہم پر مالی و معاشی کنٹرول کے لئے دریاؤں کا پانی بند کرنا بند کر دیا ہے ۔بجلی پیدا کرنے کے تمام مواقع ہمارے اپنے لوگوں کو خرید کر بند کروا دیئے ہیں۔تاکہ بجلی نہ ہونے سے انڈسٹری مقابلہ کرنے کی حالت میں نہ رہے۔پٹرول کی قیمتیں بڑھانے سے مہنگائی بڑھے گی تو ہماری چیزیں مہنگی ہونے سے برآمد نہیں ہو سکیں گی۔غرضیکہ اس چکر میں ہم خود ہی اپنے آپ کو تباہ کریں گے۔انہیں حملہ کرنیکی ضرورت نہیں رہے گی۔کھانے پینے کی اشیاء تک ہم ان سے منگوا

رہے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق سب سے بڑا ٹارگٹ پاکستان کی آرمڈ فورسز ہیں۔اکانومی تباہ ہوئی تو ہم روس کی طرح بیٹھ سکتے ہیں۔فوج کو بھی قائم رکھنا مشکل ہوگا۔جو ہماری اور نیوکلر پروگرام کی حفاظت کی آخری امید ہے۔ہمارے قوم کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ بات کو سمجھیں اور اپنی اصلاح کریں۔معاش اور مال کی حفاظت اور صحیح ستعمال سیکھیں۔اسی پر زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔چاہے ایک آدمی ہو یا قوم۔money makes the mare go.

9۔ پنڈت نے سچ کہا تھا۔ہندوستان ایسی پالیسی پر گامزن ہے۔ہم ہی نہ سمجھیں تو ان کا کیا قصور۔دشمن تو دشمن ہوتا ہے۔مگر ہم خود اپنے ہی دشمن ہوگئے ہیں۔شاید اللہ نے ہمارے اعمال کی وجہ سے ہماری مت ماردی ہے۔دعا کا وقت آ گیا ہے۔

راولپنڈی

26 اپریل 2010 امتیاز علی

پاکستان، ہندوستان کو چوہدری کیوں نہیں مانتا؟

جون 1982 میں میں بطور ائرا تاشی انڈیا گیا۔لیفٹینٹ جنرل گوری شنکر ڈی جی ایم آئے تھے۔ہم دونوں کے تعلقات بے حد خوشگوار تھے ایک روز جاپانی اتاشی کے گھر پارٹی میں کھانا لیتے وقت کہنے لگے کہ وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں Two Seater صوفے پر جا کے بیٹھوں۔کھانے کے دوران میں نے پوچھا کہ وہ کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔کہ " آپ لوگ امریکہ کو چوہدری مانتے ہو۔چین کو مانتے ہو۔ہم بھی بڑا ملک ہیں ہمیں چوہدری کیوں نہیں مانتے"؟

میں نے پوچھا کہ آپ چوہدری کی Defination بتائیں تو پھر جواب دوں گا۔تا کہ مجھے پتہ چلے کہ آپ کے ذہن میں چوہدری کا کیا تصور ہے؟ جو یہ کہے کہ مجھے چوہدری مانو وہ تو بدمعاش ہوتا ہے"اس پر کہنے لگے کہ تم خود ہی بتاؤ کہ تم کس کو چوہدری کہتے ہو؟اور تم نے یہ لفظ بدمعاش جو استعمال کیا ہے غلط کیا ہے؟

میں نے ان کو کہا کہ فلموں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک غنڈہ بدمعاش جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔وہ زبردستی چوہدری بننے کیلئے لوگوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ڈراتا دھمکاتا ہے۔لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔عزت نہیں کرتے۔علیحدگی میں اسے غنڈہ بدمعاش کا نام دیتے ہیں۔آپ جو ہمیں زبردستی چوہدری منوانا چاہتے ہیں تو یہ صریح بدمعاشی ہی ہوگی۔چودھراہٹ نہیں۔اس پر شنکر صاحب کہنے لگے۔کہ بدمعاش کا لفظ بڑا سخت ہے۔ہم اسے "دادا گیر" کہتے ہیں میں نے انہیں کہا کہ پھر آپ دادا گیر بننا چاہ رہے ہیں۔ اس پر پھر انہوں نے کہا کہ تم فوری اس بات کا جواب دو کہ چوہدری کون ہوتا ہے۔

میں نے بتایا کہ چوہدری دراصل بڑے پن کا نام ہے۔چھوٹے پن یا زبردستی کا نہیں۔امریکہ،چین، یورپ تو علمی، صنعتی، مالی لحاظ سے ہر طرح دوسروں کو دینے کی حالت میں ہیں۔دیتے بھی ہیں اسی طرح ایک پروفیسر، عالم وغیرہ بھی اپنے فیلڈ میں چوہدری ہوتے ہیں لوگ انہیں بڑا مان کر ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ان کی عزت کرتے ہیں وہ خود لوگوں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہم علم والے ہیں ہمیں چوہدری مانو۔تو پھر آپ بتائیں کہ ہندوستان ہمیں کیا دے سکتا ہے۔وہ تو خود کشکول لیکر پھر رہا ہے۔مالی امداد

اورٹیکنالوجی دوسروں سے مانگ رہا ہے۔علم کیلئے دوسروں کے پاس جارہا ہے۔تو پھر ہم اس Source کے پاس خود ہی کیوں نہ جائیں اور انہی سے حاصل کریں گوری شنکر کہنے لگے۔کہ ہم آپ کو علم،ٹیکنالوجی دے سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔تو میں نے کہا کہ آپ کے پاس نہ زندگی کی فلاسفی ہے۔ٹیکنالوجی 1950 کے عشرے کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ یہ گفتگو اس شکوہ پر ختم ہوئی۔کہ ہر بار جب وہ مجھ سے دل کی بات کرتے ہین تو میں ان کی بے عزتی کر دیتا ہوں۔ میں نے بتایا کہ سچ کو بے عزتی سمجھتے ہیں تو میں پھر بھی بولوں گا اس لئے کہ سچ کی بنیاد پر ہی ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ورنہ نہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود جنرل شنکر اور میرے تعلقات ان کی پوسٹنگ تک خوشگوار رہے کیونکہ وہ پاکستانی میوزک اور ڈراموں کے دلدادہ تھے اور یہ دونوں چیزیں ان کو صرف مجھ سے ملتی رہتی تھیں دوسرے آفیسرز کو ان کو شوق نہ تھا۔ویڈیو اور آڈیو کیسٹ تو میں ہر دفعہ پاکستان سے لے جا کر ان کو تحفہ دیتا تھا۔

تجزیہ: میرا اندازہ یہ ہے کہ ہندوستان نے 1947 سے ہی چوہدری بننے اور منوانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔اس کا اظہار 1982 سے شروع ہوا۔میرے علاوہ دوسرے ممالک کے اتاشیوں سے بھی یہی سوال کیا جاتا کہ رقبہ اور آبادی کی بنا پر اسے بڑا کیوں نہیں مانا جاتا۔آج 24 سال بعد جبکہ انڈیا ہمارے لئے ہر مشکل میں مشکل کشا بن رہا ہے۔تو مجھے اندازہ ہوا کہ اب وہ زبردستی کے ساتھ ساتھ ہر چیز دینے کی پوزیشن میں آ گیا ہے تا کہ ہم بخوشی اس کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور دل سے چوہدری مان لیں جبکہ ان 24 سالوں میں بتدریج ہم نے اپنی صورت بگاڑ لی ہے اور منگتے بن گئے ہیں اور بنتے جارہے ہیں۔یہ ہماری قومی لیول پر بدکرداری کی وجہ سے ہوا ہے۔اپنے دشمن ہم خود بن گئے ہیں۔عزت،غیرت بے غیرتی کا احساس تک ختم ہوتا جارہا ہے۔اپنی تمام انرجی ایک دوسرے کو نیچا دکھا کر اپنوں پر چوہدری ہونے کا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ہم نے خود بطور قوم دنیا میں چوہدری بننے کا کبھی سوچا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔انما الاعمال بالنیات: تمام اعمال نیت پر مبنی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ عوام اور صاحبان اقتدار یعنی ہم سب کو نیت کی اصلاح کی ضرورت ہے۔برکت خود بخود آ جائے گی۔ہم تما ہم لوگ ہوس زر اور ہوس جاہ،ہوس باہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔اس سے 16 کروڑ عوام کو نکلنے کی ضرورت ہے۔

اللہ کرے کہ ہم انڈیا کو چوہدری ماننے سے بچ جائیں۔ہندو بنیا بہت ہی گھٹیا لیول کا چوہدری ہے۔مسلمانوں کو صدیوں کا تجربہ ہے۔یہ صرف اور صرف Exploiter ہے بڑائی نام کی چیز اس کے ضمیر میں نہیں۔ہم سے تو اسکو دینی،سیاسی،ریاستی،تاریخی، مالی ہر لحاظ سے دشمنی ہے جسکا وہ برملا ہر موقع پر اظہار کرتا رہتا ہے ہم نہ سمجھیں تو ہماری ہی غلطی ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔آمین۔

امتیاز علی

ماڈرن طیر أبابیل

ائرفورس آج کل وہی رول ادا کرتی ہے جو کہ سورہ فیل کے پرندوں نے ادا کیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کی چند تصویریں نیچے دی گئی ہیں

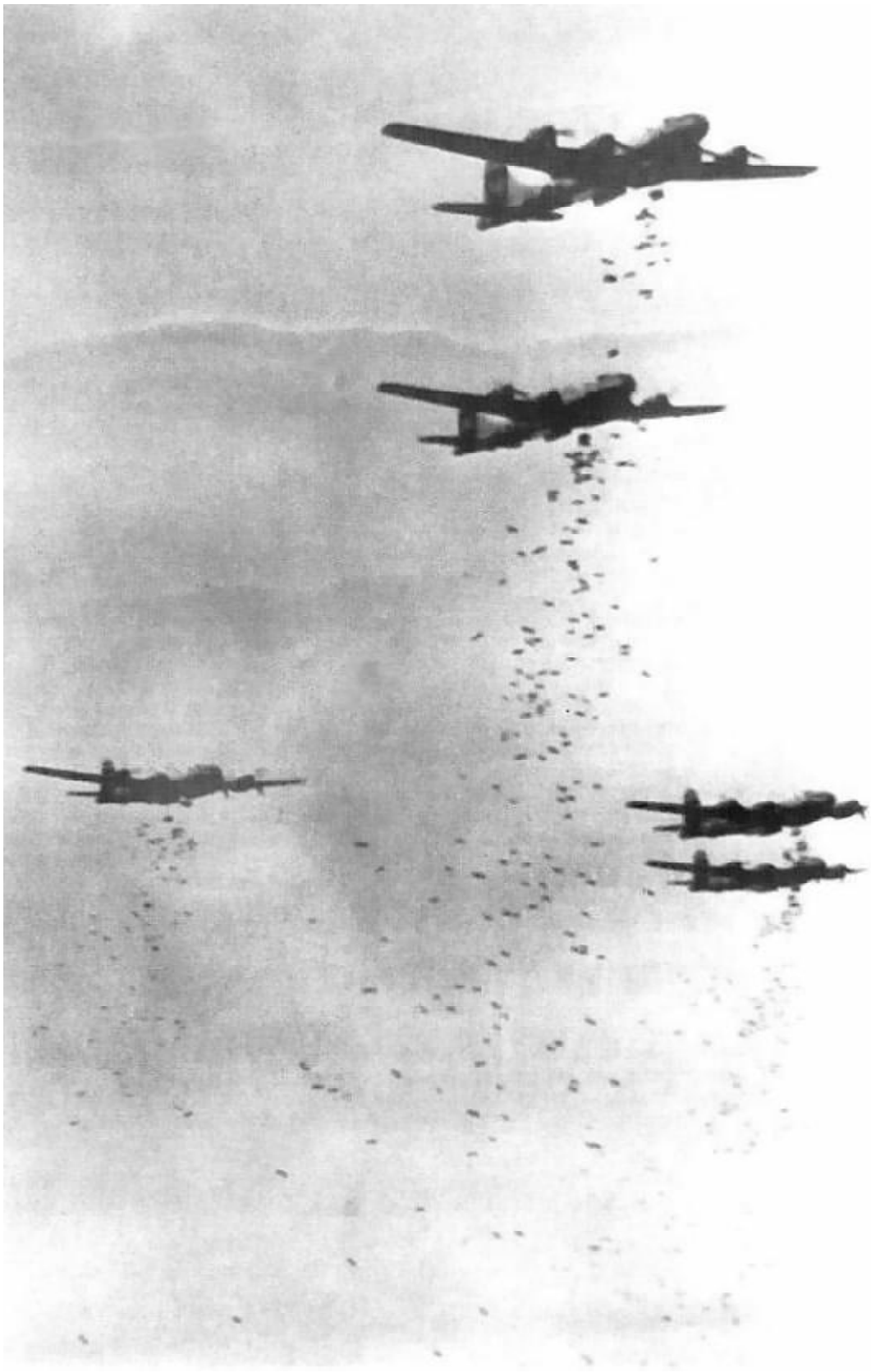

پیش لفظ

1979ء کے مارچ کی بات ہے۔ ہم چند دوست آرمی کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ بات سے بات نکل رہی تھی۔ چلتے چلتے بات قرآن مجید کے کلام اور اس کی عقلی توجیہات پر آ گئی کہ کسی بھی بات کو ماننے کے لئے آج کل کے سائنسی دور میں عقل کے مطابق پرکھا جاتا ہے۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ ہر بات واقعہ کی وجہ تسمیہ، مقصد، طریقہ کو معلوم کیا جائے۔ اگر چہ یہ سب کچھ عموماً عمل کرنے کی نیت سے نہیں ہوتا بلکہ پڑھا لکھا کہلوانے یا میم میخ نکالنے کے لئے ہوتا ہے تا کہ اُس بات پر عمل نہ کرنے سے ضمیر کی ملامت سے بچا جا سکے۔ بہر صورت اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کو قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر ضرور پڑھنی چاہیئے اور جن باتوں کو وہ اپنے جدید علوم سے ثابت کر سکیں، اُن پر ضرور لکھنا چاہیئے، کیونکہ علماء کرام تمام دینی باتوں کو ان جدید علوم سے عدم واقفیت کی بنا پر پرانی ڈگر پر سمجھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جو کہ تعلیم جدید کے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کا یہ حق بھی ہے اور فرض بھی کہ وہ قرآن مجید کو پڑھیں۔ اُس پر غور کریں اور اُس کے معانی مطلب اور پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اس بحث مباحثے کے بعد یہ خیال میرے دل میں بار بار انگڑائیاں لیتا رہا کہ مجھے اس کام کی ابتدا کر دینی چاہیئے۔ مگر اس خیال کے ساتھ ساتھ، کلام پاک میں ریسرچ کرنے کی عظیم ذمہ داریوں کا احساس اِس کام کو شروع کرنے میں مانع رہا۔ کہ مبادا میری تحریر سے کہیں غلط اثرات مرتب نہ ہو جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ ڈر تھا کہ عربی زبان اور دینی علوم سے نا واقفیت کی بنا پر ذاتی Interpretation ہو جانے کا بھی خیال تھا۔ اِن سب ملے جُلے خیالات کے باوجود اِس کام کی ابتدا کرنے کا فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے راہنمائی کی درخواست کی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ مضمون چُنا جس میں غلطی ہونے کا کم سے کم خدشہ ہو سکتا ہے۔

ریسرچ کے پروگرام کے لئے میں نے تیسویں پارے کا انتخاب کیا۔ کیونکہ اِس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔ اِن سورتوں میں سے اصحاب الفیل کے بارے میں سورۃ فیل چنی کیونکہ اس واقعہ کو میں نے اپنے ذاتی علم، اور تجربہ کی بنا ہر، جو کہ مجھے ملڑی فلائنگ کے پیشہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہے، ثابت کرنا آسان خیال کیا۔

اگر چہ اس کام کی ابتدا میں نے فوراً ہی کر دی تھی۔ مگر سٹاف کالج کی تعلیمی مصروفیات اور بعد میں سرکاری کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے نہ ہی میں مواد اکٹھا کر سکا اور نہ ہی وقت مِل سکا کہ پوُری توجہ یا انہماک سے میں اِس کو لکھ سکتا۔ اِن مجبوریو ں کی وجہ سے اور اُن کے باوجود میں نے اس کام کو کرنا ضروری سمجھا اور جس سٹینڈرڈ سے بھی یہ کام ختم کر سکا کیا۔ میں خود اِس کام سے مطمئن نہیں ہوں۔ مگر اس کو چھپوانا بہتر سمجھا تا کہ یہ سوچ اور خیال دوسروں تک پہنچ جائے۔ شاید کوئی اس ابتدائی کام کو مکمل کرنے کی ٹھان لے۔ اور یوں یہ Idea پایہ تکمیل کو پہنچ کر بہت سے مسلمانوں کو اِس کو سمجھنے اور اِس پر یقین لانے کا ذریعہ بن سکے۔ اور غیر مسلموں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دے کہ کلام پاک میں لکھا ہوا ہر لفظ اور حرف ایک سچائی ہے۔ اگر چہ وہ سچائی ہم اپنے علم کے محدود ہو

نے کی بنا پر پرکھ نہ سکتے ہوں۔

میں خود بھی اِس کام کو بدرجہ اتم مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔اور ساتھ ہی اُن تمام اہل علم سے جن کی نگاہ سے یہ کتاب گزرے یہ گزارش کروں گا کہ وہ مجھے اپنی قیمتی رائے سے آگاہ بھی کریں اور اس سلسلہ میں دوسرے ریفرنس (مواد) کے بارے میں بھی مطلع کریں۔تاکہ میں جلد اِس ضروری کام کو مکمل کرسکوں۔جس میں پہلے ہی کافی تاخیر ہوچکی ہے۔

آخر میں میں اُن تمام اصحاب سے التماس کروں گا جو کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد قرآنِ مجید کے معانی میں جدید علوم کے ذریعے رلسیرچ کرنا چاہیں کہ وہ اپنی ہر کوشش کو علماء کرام سے استفادہ، بحث، کے بعد ہی چھاپیں تاکہ جدید علوم اور روایتی انداز دونوں کے ملنے سے بہترین نتیجہ نکلے۔جو کہ اسلام کو سمجھنے اور پھیلانے کا ذریعہ بن سکے۔اور نئی پود کو اسلام کی ہمیشگی سچائی سے جدید علوم سے ثابت کرکے روشناس کرسکے۔

گروپ کیپٹن امتیاز علی

افتتاحیہ

ہمیشہ سے ہی (ازل سے ہی) یہ انسانی فطرت رہی ہے کہ وہ ہر معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے کیونکہ وہ فطرت کے ہر سر بستہ راز کو حل کرنا چاہتا ہے۔ ہر چیز کے بارے میں کیوں اور کیسے کے سوال کا جواب تلاش کرتا ہے۔ اس کوشش کے پیچھے ہمیشہ یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ جو چیز سمجھ میں آجائے، اس سے مانوس ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور اَن جانے ڈر اور خوف سے نجات مل جاتی ہے۔ کیونکہ جب تک کوئی چیز انسان کی سمجھ میں نہیں آتی تب تک وہ اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ مبادا وہ کہیں اس کی ذات کو یا مفادات کو نقصان نہ پہنچا جائے۔ یہ سوچ انسان کی ذاتی حفاظت (Self Preservation) کے قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ جوں ہی اس شے کی حقیقت، پس منظر، اصول، مقاصد وغیرہ سامنے آجاتے ہیں تو وہ اس علم کی روشنی میں اپنی ذات یا مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔ یا کم از کم ان خطرات سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ جو اس کو ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ذاتی تحفظ کی یہ انسانی فطرت اس طرح اسے اپنے ماحول میں موجود اشیاء کا علم حاصل کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اور اس کے سد باب کے لئے نئے سے نئے ہتھیار بنانے پر ابھارتی ہے جس کے ذریعے وہ دوسروں پر حاوی ہو سکے۔

تفتیش و تحقیق کے لئے دوسرا محرک ذاتی منافع یا فائدہ ہوتا ہے کہ انسان اس شئے سے کیسے مستفید ہو سکتا ہے تا کہ وہ دوسروں سے افضل ہو سکے۔

تیسرا جذبہ ذاتی انا کا ہوتا ہے۔ علم میں وسعت اس کو دوسروں کی نسبت ممتاز کرتی ہے۔ اور یہی جذبہ اس کی خودی، انا، سماجی، معاشرتی، معاشی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اور اس طرح ذاتی تحفظ اور مفاد حاصل ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ باقی دونوں جذبے پہلے محرک کے تحت ہی ہوتے ہیں۔ چاہے یہ تحریک تحت الشعوری ہی کیوں نہ ہو۔

انسانی علم، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ پرانی نسل کے تجربات و علم کی انتہا دوسری نسل کے لئے اس کے علم کی بنیاد کا کام کرتی ہے جس میں وہ اپنے زمانے اور تجربہ کے ساتھ اضافہ کرتی ہے۔ جن مسائل کو پرانی نسلیں حل نہ کر سکی ہوں۔ یا اس کا معلوم کردہ حل پوری تسلی و تشفی نہ کرتا ہو۔ وہ نئی نسلیں ان کا حل تلاش کر لیتی ہیں۔ یا سوال کو حل کے اور قریب لے آتی ہیں جن کو ان کے بعد آنے والے لوگ آسانی سے حل کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات نئی نسل پرانے حل کو بہتر تشریحات و توضیحات کے ساتھ سمجھنا اور ابھی آسان کر دیتی ہے۔ انسانی علم کا یہ سلسلہ یونہی جاری و ساری رہتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ ہم آج جو تحقیقی کام کر کے درپیش مسئلہ کا جو قابل قبول حل یا نتیجہ نکالتے ہیں وہ آئندہ تنقید اور ترقی کے بعد مزید بہتر بنایا جاتا ہے۔ کئی مسائل کا حل چند نسلوں کے بعد آتا ہے جب علم کے شعبوں میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے مقصد بتدریج مکمل حل کی تلاش۔

انسانی زندگی میں بعض ایسے واقعات، حالات، مسائل رونما ہوتے ہیں جن کو آج تک نسلِ انسانی موجودہ علم اور تجربہ کی بنا پر تسلی بخش طریقے سے نہ سمجھ سکی ہے۔ اور نہ ہی ان کی توضیح کی گتھی سلجھا سکی ہے۔ ایسے واقعات کا صرف اتنا ہی علم ہے کہ یہ رونما ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یوں ہے کہ انسانی علم اس بات کے بارے میں اب تک اتنی ترقی نہیں کر سکا۔ اس لئے اس کی توجیہ کرنی

مشکل ہوتی ہے۔خاص طور پر اگر یہ مسئلہ روحانی یا مذہبی زندگی سے تعلق رکھتا ہو یا Occult Sciences سے ہو۔

علم انسانی کا بنیادی طریقہ تقابلی ہے یعنی Comparison ہے۔یعنی وہ ایک معلوم علم سے یا اصول سے نا معلوم چیز کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔اس تقابلی طریقہ کار سے اس کو نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔جن کی بنا پر وہ نئے اصول وضع کرتا ہے جن کو استعمال کر کے وہ نئی چیزیں دریافت کرتا ہے اور نئے اصول سیکھتا ہے۔بعض پرانے اصول غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔اس تقابلی اصول کو استعمال کر کے آدمی یا تو پہلے کسی چیز کا مشاہدہ کر کے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔یا پھر ایک ممکن مفروضہ فرض کر کے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اگر کوئی واقعہ یا بات سمجھ میں نہ آسکے مگر اس کا ممکن ہونا ثابت ہو جائے تو بھی یہ علم میں قابل قدر اضافہ ہوتا ہے۔اس لئے کہ اگر یہ کسی چیز کا ہونا ممکنات سے ہو۔تو پھر اس کا کسی روز ثبوت مل جانا مشکل نہیں رہتا۔صرف دقت کی بات ہوتی ہے۔کسی چیز کا ممکن الوقوع ہونا دراصل اس واقعہ کو مان لینے کو آسان بنا دیتا ہے۔اور ساتھ ہی وہ تحفظ بھی فراہم کر دیتا ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ یہ تحفظ دراصل ذاتی انا کا ہوتا ہے۔کہ وہ جس بات پر صدیوں سے یقین کرتا آیا ہے دراصل ہوسکتی ہے۔اور اس طرح اس کی عزت، انا اور یقین دوسرون کی نظر میں قابل اعتبار اور محفوظ ہو جاتی ہے۔اس لئے کہ ایک بار انسان کے ذاتی اعتبار، ایمان اور یقین کو نقصان پہنچ جائے تو وہ انسان نہ صرف اندر سے ٹوٹ جاتا ہے بلکہ سماجی لحاظ سے قدر و قیمت کھو بیٹھتا ہے۔یہی عزت، انا، تکبر ہی تو ہے جو ہر نئے پیغمبر کے پیغام کو رد کرنے اور نہ ماننے کا باعث بنتی رہی ہے۔اور ہر معاشرے، ہر ملک اور ہر دور میں ایک ہی بات سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے کہ ہمارے باپ دادا اس رسم، عادت، اصول کو صدیوں سے کرتے آئے ہیں۔ہم نئی بات کیسے مان لیں۔نئی بات کو سچ ماننے میں اپنے صدیوں کے اعمال اور یقین کی تضحیک ہوتی ہے کہ ہم اتنے عرصہ سے غلط کام کرتے رہے ہیں یا غلط بات کو صحیح مانتے آئے ہیں۔اپنی غلطی کو ماننا دراصل انسانی طبیعت کے لئے مشکل ترین کام ہوتا ہے۔

اس لئے اپنے کسی اصول کا ثبوت مہیا ہو جانا انسان کو خوشیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔کہ وہ دنیا میں اس Embarrasment سے بچ گیا جو کہ پیش آسکتی تھی۔یا اس مشکل اور دقت سے نکل آیا جو اس واقعہ یا اصول کو ثابت کرنے میں ہوسکتی تھی۔

اس کے علاوہ کسی واقعہ یا اصول کا مکمل ثبوت مل جانا یا اس کا ممکن الوقوع ثابت ہو جانا اس کی اپنی زندگی کی فلاسفی کی برتری ثابت کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔اس لئے کہ یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی ہر بات کو دوسروں سے بہتر افضل اور ممتاز ثابت کرنے میں ہی اپنی برتری سمجھتا ہے۔

انسانی زندگی کے اصول اور واقعات خصوصاً معجزات عموماً فوق العادات ہوتے ہیں۔اور ان کا مقصد بھی لوگوں کو تقابلی علم سے یقین دلانا اور ایمان لانے پر راغب کرنا ہوتا ہے۔اس لئے کہ اگر ایک شخص اپنی روحانی طاقت، تعلق کا ثبوت فراہم کر دیتا ہے تو لوگوں کے لئے اس کی کہی ہوئی باتوں پر یقین لانا بالکل آسان ہو جاتا ہے۔جو لوگ تو ان روحانی واقعات اور معجزات یا کرامات کے عینی شاہد ہوتے ہیں وہ تو آسانی سے یقین لے آسکتے ہیں اور لے آتے ہیں۔مگر ان عینی شاہدوں کی چونکہ اپنی Credibility یا

اعتبار کم ہوتا ہے۔اس لئے ان کے بیان کردہ واقعات پر بعد کی نسلیں یقین لانے سے گریزاں ہو جاتی ہیں۔اوران تاریخی واقعات پر شک وشبہ کا اظہار کرنے لگتی ہیں۔(""اسی لئے قرآن کے قصوں کو مکہ کے کفار پرانے زمانے کی باتیں کہتے تھے۔"ا) وراس واقعہ کوممکن الوقوع ہونے کے لئے ثبوت مانگتے ہیں جو کہ ان کے وقت کے علم کے مطابق بخوبی سمجھایا جاسکے۔یا مہیا کیا جاسکے۔یہ شک عموماً تاریخ میں موجود مبالغہ آرائی کی وجہ سے پیش آتا ہے جو کہ نسلوں کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی رہتی ہے۔علاوہ ازیں یہ انسانی فطرت میں شامل ہے کہ ہرنئی نسل اپنے ذاتی تجربات اورسوچ کی بنا پر آگے بڑھنا چاہتی ہے۔اس لئے بھی وہ اپنے طور پر ان واقعات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔اسی لئے تمام علوم کی تعلیم میں پریکٹیکل یا عملی تجربات کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔نئی نسل پرانے اصول کوصرف الفاظ سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔بلکہ ایک بار کر کے اپنی نظروں اوراپنی سوچ اور مشاہدہ سے اس اصول کی سچائی پر یقین لاتی ہے۔ عین الیقین کے ذریعے ہی حق الیقین کرنا چاہتا ہے

روحانی واقعات،اصولوں کو چونکہ لیبارٹری،عملی زندگی یا کسی بھی طور سے دہرایا نہیں جاسکتا۔اس لئے ان کا علم صرف الفاظ کی شکل میں منتقل ہوتا ہے۔الفاظ کے معانی Context استعمال وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں کیونکہ ان پر دوسرے لوگوں کی تہذیب اورسوچ کا اثر ہو جاتا ہے۔اس لئے عقائد یا اعمال میں تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اورسوچیں بدلنے لگتی ہیں۔جوانسان کواپنے نظریات،عقائد،مقاصد،پرتنقید کرنے پر ابھارتی ہیں۔یہ سب کچھ ہمارے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔

مغربی ممالک کی سائنسی سوچ ہمارے سوچنے کے طریقے پر اثر انداز ہو رہی ہے۔اور ہم آج اپنے مذہبی اور روحانی اصولوں اور واقعات کی سچائی کو ان سائنسی اصولوں کے ذریعے ثابت کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کیونکہ یہ ہماری نوجوان مسلمان نسل کی سوچ ہے۔اس لئے اب وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم تمام علوم کو استعمال کر کے اپنے اصولوں کو کم از کم ممکن الوقوع ہونا ثابت کر دیں۔اسی لئے ڈاکٹر قرضاوی۔فقہ الزکوۃ کے مصنف کہتے ہیں" اگر ایک طرف شریعت اسلامی احکام کی علت بیان کرنا اوران کی حکمتیں واضح کرنا ایک امر محمود ہے (Desireable) ہے تو دوسری طرف ہمارے اس دور جدید کے لحاظ سے یہ ایک امر لازمی ہے۔کیونکہ آج ہر سمت سے غلط افکار وخیالات کی یلغار ہے۔اور مشرق ومغرب سے طوفان گمراہی امڈ رہا ہے تو ہم کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ہم لوگوں کو احکام شریعت بتادیں گے۔اورلوگ بسروچشم کہہ کرانہیں قبول کرلیں گے۔''۔(ص۔30 قرضاوی)"

الحمدللہ کہ سائنس کی ترقی نے ہر قدم پر اسلام کے اصولوں کی سچائی کو ثابت کرنے میں مدد دی ہے۔اور جو چیزیں ہم آج سے دو چار سو سال پہلے احاطہ سوچ میں بھی نہ لا سکتے تھے،وہ آج بڑی آسانی اور روانی سے ثابت ہو رہی ہیں۔ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان جدید علوم سے واقف مسلمان قرآنِ مجید کی تفسیر کو صرف علماء کے فرض تک محدود نہ کر دیں،بلکہ بڑھ کر ان علماء کا ہاتھ بٹائیں اس لئے کہ علماء کو ان جدید علوم کا علم نہیں ہے۔اس لئے وہ اپنے روائیتی انداز سے ہی کلام پاک کی تفسیر کریں گے۔ہمیں سب کو یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر پہلے عینی شاہدوں کو یقین یا ایمان لانے میں آسانی ہوتی تھی۔تو آج اسی واقع کو ثابت کرنے یا کم از کم ممکن الوقوع ہونا ثابت کرنے سے ویسی ہی دین کی دوسری باتوں پر ایمان لانے میں آسانی پیدا ہوگی جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام کو آسانی پیدا ہوتی تھی۔اپنے اس نقطہ کو واضح کرنے کے لئے میں چند مثالیں دینا چاہتا ہوں۔

واقع معراج کو ہی لے لیجئے۔صحابہ کرامؓ نے اس واقعہ کو مان لیا مگر اس واقعہ پر شک وشبہ ظاہر کرنے والے کفار موجود تھے۔ اگر چہ واقعہ معراج کی تفصیلات اور مندرجات (Contents) اس واقعہ پر ایمان لانے کے لئے کافی ثبوت مہیا کرتے تھے لیکن اس زمانے کے موجود علم کے مطابق یہ سمجھنا ممکن نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ اتنے تھوڑے وقت میں یہ سب کچھ کیسے سرانجام دے سکتے ہیں۔اس لئے کافروں نے اس واقعہ کے صرف ایک پہلو یعنی اس واقعہ کے ہونے کی رفتار کو ناممکن الوقوع سمجھ کر تمام واقعہ کو ہی مسترد کر دیا۔اس کے برعکس حضور اکرم ﷺ کی سچائی، اور واقعات کی تفصیلات کی حقیقت پر یقین کر کے صحابہ کرامؓ نے ان کے اس بیان کردہ تجربہ کو صحیح مان لیا کہ اللہ چاہے تو اتنی رفتار سے یہ واقعہ ہونا بھی ممکن ہے۔اور خداوند کریم کے قبضہ قدرت میں ہے۔اگر چہ ان کے لئے اس واقعہ کی رفتار کو سمجھنا یا ثابت کرنا ممکن نہ تھا۔

واقعہ معراج پر شک وشبہ کرنے والے آج بھی اس واقعہ کے ظہور کو مختلف انداز سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔اور ان کے اعتراضات بھی وہی ہوں گے جو کفار کے تھے۔یعنی واقعہ کی رفتار، جسمانی حالت میں سفر، سواری پر سوال، اس زمانہ میں صرف گھوڑا ہی تیز رفتار سواری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔یا پھر خیالی، پر والی پریاں یا جن، جو ہوا میں تیز رفتاری سے پلک جھپکنے میں ایک جگہ سے دوسرے جگہ جا سکتے تھے۔اس لئے مسلمانوں میں بھی براق کی سواری کا تصویری خاکہ ان دونوں سواریوں کے اشتراک کی شکل میں ظاہر ہوا۔یعنی پروں والا گھوڑا، براق کے مترادف ٹھہرا۔اور براق کا یہ تصور آج بھی مسلمانوں میں رائج ملتا ہے۔مگر آج زمانہ میں تیز رفتار سواری کا تصور صرف جیٹ جہاز اور راکٹ کے ساتھ منسلک ہے، نہ کہ گھوڑے کے ساتھ۔اب انسان اپنی ہی بنائی ہوئی سواری میں تیس ہزار میل فی گھنٹہ (50 میل فی منٹ یا قریباً ایک میل فی سیکنڈ) کی رفتار سے چاند پر جا چکا ہے۔اور انسانوں کے بنائے ہوئے راکٹ اور سیٹلائٹ چاند سے بھی دور مریخ پر پہنچ چکے ہیں۔آج کل کے سائنسی دور میں ان عینی شواہد کے بعد واقعہ معراج پر ایمان لانا نسبتاً آسان ہو گیا ہے۔اس لئے کہ ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی اب اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ اگر انسان کی بنائی ہوئی چیز اس تیز رفتار سے سفر کر سکتی ہے تو اس کائنات کے خالق کے لئے حضور اکرم ﷺ کے لئے ایک تیز رفتار سواری مہیا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔جو ان کو جسمانی حالت میں آسمانوں تک لے جا کر واپس بھی لے آئے۔وہ سواری کیا یا کیسی تھی، اس کا نہ ہی ہمیں معلوم ہو سکتا ہے، نہ ہی ضروری ہے۔

رفتار کے اس تصور کے ساتھ ہی ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے کہ پلک جھپکنے میں آواز اور تصویریں وائرلیس اور ٹیلیویژن کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہیں۔بلکہ ان ریڈیائی لہروں کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔یعنی رفتار کا تصور چند میل فی گھنٹہ سے بڑھ کر 186000 میل فی سیکنڈ تک پہنچ چکا ہے۔اور جس کا تجربہ ہم روزانہ کرتے ہیں۔

اس تجربہ کے ساتھ ہی ہمیں معلوم ہے کہ اب یہ سائنسی تصور بھی موجود ہے کہ تصاویر کی طرح کسی دن پورے انسان کو بھی اسی رفتار سے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا Transmit کیا جا سکے گا۔یعنی ایک انسان کو کسی آلہ کے ذریعہ ریڈیائی لہروں میں (Energy) تبدیل کر کے دوسری جگہ بھیجا جا سکے گا۔اور وہاں اسے موصول (Recieve) کر کے دوبارہ انسان میں تبدیل کیا جا سکے گا۔یہ سائنسی تصور بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ مستقبل میں ایسا کرنا ممکن ہو سکے گا۔صرف یہ سائنسی

تخیل ہی واقعہ معراج کے ممکن الوقوع ہونے کا ثبوت مہیا کر دیتا ہے۔اور اس واقعہ کی صداقت کو اور قوی بنا دیتا ہے۔اور یوں موجودہ علوم کی ترقی، زندگی کے تجربات، سائنسی تخیلات، تحقیقات یہ سب اس زمانے میں وہ تقابلی علم مہیا کرتے ہیں جن سے مقابلہ کر کے واقعہ معراج کے ممکن الوقوع ہونے کے امکانات وممکنات Possibilities or Probabilities بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اور اس واقعہ پر ایمان لانا آسان ہو گیا ہے۔حضور اکرم ﷺ کے اس طرح کے ممکن الوقوع سفر پر ایمان دراصل ان کی تمام دوسری تعلیمات پر ایمان لانے کا سبب بن سکتا ہے جیسے کہ صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک اور مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ مخلوقات کے بارے میں قرآن مجید میں ملائکہ (فرشتوں) اور جنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ایسی مخلوقات جو کہ ہمیں نظر نہیں آتیں مگر موجود ہیں۔ پرانے زمانے میں ان کی موجودگی کا تصور کرنا انتہائی مشکل تھا۔اور آج بھی اَن پڑھ لوگوں کے لئے اتنا ہی مشکل ہے۔ایسے لوگ آج بھی جنوں کی موجودگی کو افسانوی رنگ میں ہی پیش کرتے ہیں۔ ہاں پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تقابلی طریقہ علم اور ظنی دلیل (Deductive Logic) سے ان کی موجودگی کا ممکن ہونا ثابت کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔اس لئے کہ آج کل ہر پڑھا لکھا شخص جراثیم کی موجودگی پر یقین رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ اگر چہ انسانی آنکھ جراثیم کو دیکھ نہیں سکتی مگر وہ موجود ہوتے ہیں اور انسانی آنکھ کی مدد کے آلے خوردبین (Microscope) کے ذریعے جو چھوٹی چیزوں کو ہزاروں لاکھوں گنا بڑا کر کے دکھاتی ہے اس نظر نہ آنے والی مخلوق کو دیکھا جا سکتا ہے۔اور دیکھنا ہی یقین کرنے کے لئے کافی ہے۔اس تجربہ سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی آنکھ کا ڈیزائین ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک خاص جسامت یا سائز سے کم کی چیزوں کو ان کی موجودگی کے باوجود محسوس نہیں کر سکتی۔ چاہے یہ جسامت بذات خود اتنی چھوٹی ہو یا فاصلے کی وجہ سے ہو۔اس طرح یہ انسانی آنکھ بعض دوسری ماہیت کی چیزوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں اگر چہ وہ جسمانی حالت میں موجود ہوتی ہے اور ہم ان کی موجودگی کو محسوس کر سکتے ہیں۔مثلاً ہوا، خوشبو وغیرہ۔اس لئے ان مثالوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ایسی تمام مخلوقات جو کہ انسانی آنکھ کے ڈیزائین کی حدود یا Limit کے باہر ہوتی ہیں وہ انسان کو نظر نہیں آسکتیں۔اس سلسلے میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آنکھ صرف ایک فریکونسی (Frequency) کی روشنی کو دیکھ سکتی ہے۔حالانکہ اس کے علاوہ (Infra-red) ایکس رے، (Ultra violet) روشنی کی لہریں موجود ہوتی ہیں۔غرضیکہ سائنسی علوم کی روشنی میں تقابلی مطالعے کے ذریعے ہم اب یہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ فرشتے اور جن کی موجودگی ممکن ہے۔اور اس طرح ان کی مختلف بیان کردہ صلاحیتیں مثلاً تیز رفتاری، شکلیں بدل سکنا وغیرہ بھی ہونا ممکن ہو سکتا ہے۔

انفرا ریڈ شعاؤں کو استعمال کر کے بہت سی ایجادات ہوئی ہیں جیسے انفرا ریڈ کیمرے، میزائل۔

اسی طرح اب مائیکرو چپ، جہازوں کے بلیک باکس، کمپیوٹر کی ایجاد سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے کندھوں پر بیٹھے فرشتے کیسے ہمارے اعمال ریکارڈ کر رہے ہیں جو کہ قیامت کے دن وڈیو چلا کر اللہ تعالیٰ اس ثبوت کے ساتھ فیصلے کرے گا اور ہم انکار نہیں کر سکیں گے۔

ہم سب یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسانی علم کی بنیاد اس کے حواس خمسہ پر ہے یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے یا لمس پر ہے۔ اور ان سب کا ڈیزائین ایسا ہے کہ ہر ایک کی اپنی اپنی حدودیں ہیں جن میں یہ کام کرتے ہیں۔ ان ذرائع یعنی حواس خمسہ کی صلاحیتیں مختلف آدمیوں میں مختلف درجے کی ہوتی ہیں۔ اور عمر کے ساتھ ساتھ بھی ان کی صلاحیتوں میں تبدیلی آتی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک انسان ایک لمس سے محروم ہو جائے یا کم ہو جائے تو عموماً دوسرے حواس میں زیادہ صلاحیت آجاتی ہے، جیسے اندھے کی سننے کی قوت، اَن پڑھوں کی قوت حافظہ، غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمارے روحانی بزرگوں نے اپنی سوچ بچار، مراقبہ، توجہ کو مرکوز کرنے (Concentration of Mind) کی صلاحیتوں کو ترقی دے کر اس درجہ (Level) تک پہنچا دیا تھا کہ وہ ان حواس خمسہ کے بغیر اپنے ذہنوں کو اس طرح (Tune) مرکوز کر لیتے تھے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے پیغام کو موصول (Receive) کر کے اپنا رابطہ قائم کر لیتے تھے یا اب بھی کر سکتے ہیں۔ یہ صلاحیت سائنس نے (Telepathy) کے نام سے موسوم کی ہے۔ یعنی صرف ذہنی قوت کے ذریعے پیغامات کا تبادلہ جس میں حواس خمسہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا وہ مشہور واقعہ جس میں انہوں نے مدینہ منورہ سے حضرت ساریہؓ کو جو دوسرے ملک میں جنگ لڑ رہے تھے۔ پہاڑ کی طرف دفاع لینے کو کہا تھا۔ اور انہوں نے سن لیا تھا۔ پہلے ناقابل یقین لگتا تھا۔ مگر آج کل (Telepathy) کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھ کر ہزاروں میل دور سطح سمندر سے نیچے آبدوز میں بیٹھے ہوئے آدمی کو (Telepathy) کے ذریعے پیغام پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح ہپناٹزم کے ذریعے دوسرے کے دماغ پر اثر انداز ہونا اور اس سے عجیب عجیب باتیں کروانا بھی روزانہ کا تجربہ ہے۔ ہپناٹزم کے عملیات کے ذریعے پیغام رسانی اور اس کے اثرات پرانے زمانے میں بھی تجربہ میں آتے رہے ہیں مگر اس وقت یہ کرامات اور مافوق الفطرت طاقت گنی جاتی تھیں۔

مختصراً یہ کہ (Telepathy)، ہپناٹزم وغیرہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر انسان اپنے حواس اور ذہن کی صلاحیت کو اپنی کوشش سے ایک حد تک ترقی دے سکتا ہے تو یہ انسان کے خالق کے قبضہ قدرت میں ہے کہ وہ اپنے چنے ہوئے اشخاص، رسولوں، اور پیغمبروں کو نہ صرف طاقتور حواس خمسہ عطا فرما دے بلکہ کچھ ایسی (Senses) حسیں بھی دے جن سے وہ نہ نظر آنے والی مخلوقات کو دیکھ سکیں، سن سکیں اور ان سے باتیں کر سکیں۔ یعنی فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے پیغامات موصول کر کے اس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ فاصلے تک کی چیزوں کو اسی طرح دیکھ سکیں جیسے کیمرے کا (Tele Lense) دیکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ ان آوازوں کو سن سکتے تھے جن کو عام لوگوں کے کان سننے سے معذور ہوتے تھے۔ ان حضرات کے پاس اپنے تجربات کو بیان کر دینے کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ وہ ان تجربات کا ادراک دوسرے لوگوں کو نہ کروا سکتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کی قدرت سے باہر ہوتا تھا۔ ان کے ان جیسے بیانات کی صداقت کو پرکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ان کے عوام کے پاس ہوتا تھا اور وہ تھا تقابلی مطالعہ کا۔ چونکہ ہمارے پیارے نبی اور پیغمبر ﷺ دنیاوی معاملات میں ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، اس لئے ان کے پیغامات کو بھی سچ ماننے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔ خاص طور پر اس صورت میں جبکہ ان پیغامات سے حضور اکرم ﷺ کو اپنا ذاتی فائدہ ملحوظ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ معاشرے کی اصلاح ہوتا تھا۔ جب کبھی ضرورت ہوتی تھی اللہ تعالیٰ ان برگزیدہ ہستیوں سے وہ

اعمال ظاہر کرا دیتا تھا جو کہ عام لوگ نہ کر سکتے تھے اور عام عادت کے خلاف ہوتے تھے۔ان ہی کو معجزات کہتے تھے۔معجزات دراصل اللہ تعالیٰ کی بے پناہ طاقت قدرت، صلاحیت کو ظاہر کرتے تھے جس کے ظہور سے لوگ تقابلی انداز سے یہ ماننے پر مائل ہو جاتے تھے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اور یہ کہ اس کا حکم ماننا چاہیے جو کہ وہ برگزیدہ ہستی دے رہی ہے۔

اصحاب الفیل کا واقعہ بھی انہی خلاف عادت اعمال وواقعات میں سے ایک ہے جو حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے وقوع پذیر ہوا۔حضور اکرم ﷺ کی زندگی مبارک میں وہ لوگ موجود تھے جو یا تو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے یا انہوں نے ان چشم دید گواہوں سے ملاقات کی تھی یا ابرہہ کی فوج کے بچے ہوئے لوگوں سے ملے تھے۔یہ واقعہ بذات خود اتنا مشہور ہے کہ اس کے نہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔مگر بعد کے لوگ اس واقعہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔صاحب ایمان لوگ ہر دفعہ اس واقعہ پر ویسے ہی ایمان لاتے رہے ہیں جیسے صدیق اکبرؓ نے واقعہ معراج کو فوراً ہی سچ مان لیا، اس لئے کہ انہیں کہنے والے کی زبان پر کُلّی اعتماد اور بھروسہ تھا۔اور بعد کی نسلوں کو کلام پاک کے ہر لفظ کی سچائی پر۔ان لوگوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی بہت ہوتے ہیں جو ہر بات کی عقلی توجیہ چاہتے ہیں ان لوگوں کے علاوہ غیر مسلموں کے اعتراضات کو بھی دلائل سے رد کرنا پڑتا ہے۔اس لئے ایسے لوگوں کی تسلی وتشفی کے لئے ان واقعات کو عقلی طور پر ثابت کرنیکی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہتی ہے اور یہ ضرورت حقیقی ہوتی ہے۔

اس لئے معجزات کو دنیاوی تجربات کی روشنی میں تقابلی طریقے سے سمجھانے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔جو کہ علوم میں وسعت کی بنا پر بتدریج زیادہ سے زیادہ بارآور ہوتی جارہی ہیں۔ان وضاحتوں سے شک وشبہ کم کرنے، کتاب اللہ کے واقعات کی صداقت کا یقین کرانے کا مقصد حل ہوتا رہتا ہے۔اور ایک واقعہ کا ثبوت یا ممکن الوقوع ہونے کا ثبوت دوسرے واقعات پر اعتبار کرنے کا باعث بھی بنتا رہا ہے۔وسوسوں، شکوک وشبہات میں کمی اور نتیجتاً یقین کی زیادتی عمل پر ابھارنے کا محرک اور ذریعہ بنتی ہے۔

اس مقصد کے تحت ہی میں نے سورۃ الفیل کو تحقیق وریسرچ کے لئے چنا۔سورۃ کا انتخاب کرنے کے بعد اس پر ریسرچ کرنے کے انداز اور طریقہ کے بارے میں سوچا۔بڑی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے میں خود ہی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ذاتی سوچ سے مطلب ڈھونڈنے کی کوشش کروں اور جب میرے اپنے خیالات قریباً ختم ہو جائیں تب کسی تفسیر کا مطالعہ کروں تاکہ شروع میں اس کو پڑھنے سے میری اپنی سوچ پر اس کا اثر نہ پڑے۔اس لئے میں نے ان تمام سوالوں کی فہرست بنائی جو سورۃ الفیل کا ترجمہ پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں آئے۔ان پر سوچ اور ان کے حل کا سوچنے کے بعد میں نے تفسیر کی طرف رجوع کیا۔اور تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا جو کہ میرے گھر میں موجود تھی۔اس کے بعد دوسری تفاسیر کا۔اس سے چند اور سوال ذہن میں ابھرے جن کو بھی تحقیق کے لئے شامل کرلیا۔ان سوالوں کے جوابات کے طور پر تشریح لکھنی شروع کی۔اس لئے اس مقالہ میں ترتیب بھی قریباً وہی ہے جیسے جیسے کہ سوالات ذہن میں آئے۔وہ سوالات یہ تھے۔

ا) اصحاب الفیل کون تھے؟

ب) ان کا داؤ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے غلط کر دیا؟

ج) وہ کون سے پرندے تھے کہاں سے آئے تھے۔ انہوں نے پتھر کیوں اٹھائے کیسے ان کو پتہ چلا کہ پتھر کہاں گرانے ہیں؟

د) پتھر کیسے تھے۔ کتنے سائز اور وزن کے تھے۔ کس بلندی سے گرائے گئے تھے ان کے اثرات کیا تھے؟

ر) کیا پتھروں سے تمام فوج وہیں تباہ ہوگئی تھی یا بتدریج تباہ ہوئی؟

س) ''بھس کھایا ہوا'' سے کیا مراد ہے اور ابرھہ کی فوج کو اس کے ساتھ کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے؟

پہلے دو سوالوں کے جوابات آپ کو سورۃ الفیل کی تفسیر اور تاریخی پسِ منظر میں مل جائیں گے۔ جبکہ باقی سوالات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ بہت سے سوالوں کے جوابات تشنہ طلب ہیں۔ ان کے جوابات مزید تحقیق سے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض کے جوابات کا ملنا مشکل ہے۔

بہرصورت میں نے سورۃ الفیل کی تشریح و توجیہہ کرنے میں جدید سائنسی طریقہ اور انداز اختیار کیا ہے۔ جو کہ موجودہ نسل کے لوگوں کے طریقوں اور رویے کے عین مطابق ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو قرآن پاک سمجھنے میں تمام روایتی علوم و تفسیر کے قاعدون کے ساتھ تمام مختلف جدید علوم کو شامل کرنا ہے۔ تا کہ یہ نہ صرف مسلمانوں میں ایمان کی زیادتی کا باعث بنے بلکہ غیر مسلموں کے لئے قرآن پاک میں سوچ کرنے کا ذریعہ بنے۔ شاید اس طرح وہ بھی راہ پا سکیں۔ ان لوگوں کو قرآن پاک سمجھانے کے لئے ان کے اپنے قبول کردہ اصولوں کے استعمال ہی سے قائل کیا جا سکتا ہے۔

میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں اگر میں اس تجربہ سے دوسرے تعلیم یافتہ اصحاب کو قرآن پاک میں تحقیق کے سائنسی اور جدید طریقوں کو استعمال کرنے کا شوق اختیار کرنے پر ابھار سکا ہوں تو پھر یہ میری حقیر کوشش یقیناً رائیگاں نہیں گئی۔ اگر میں جدید علوم کے ماہرین کو صرف اس سوچ پر ہی آمادہ کر سکا ہوں کہ قرآن مجید کو موجودہ علوم کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کیونکہ میرا یہ تجربہ ہے کہ جدید علوم کے پاکستانی ماہرین میں اب دین اسلام سے بے حد لگاؤ ہے۔ اور قرآن کی ان آیات کے معانی اور تفسیر میں جن میں ان حضرات کو علم میں مہارت ہے، بہتر طور سے وضاحت کر سکتے ہیں، بہ نسبت علماء کرام کے۔ لیکن ایسی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ علماء کرام سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے تا کہ عربی زبان سے ناواقفیت، دوسرے علوم اسلامی سے گہری واقفیت نہ ہونے سے وضاحت کرتے ہوئے کوئی فاش غلطی نہ ہو جائے۔ بلکہ اس بحث سے یہ نقطہ نظر زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ تحقیق کے جدید طریقوں میں شخصی تحقیق کی بجائے گروپ تحقیق کا رواج ہونا چاہیے اور ضرورت بھی ہے۔ قرضاوی بھی یہی کہتے ہیں۔ "ہر چند کہ زکوٰۃ جیسے اہم امور میں قطعی رائے معلوم کرنے کے لئے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے لیکن بہرحال انفرادی تحقیقات سے بھی صحیح اجتماعی اجتہاد کی راہیں منور ہوتی ہیں"۔ یعنی علماء کرام تحقیق کرنا چاہیں تو انہیں جدید علوم کے ماہرین کو اپنی ٹیم میں شامل کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر یہ ماہرین قرآن میں غور کرنا چاہیں تو علماء کرام کو اپنی تحقیق میں شامل کرنا ضروری سمجھیں۔

اصحاب الفیل کے تحقیقی کام کے دوران مجھے بڑی شدت سے احساس ہوا۔ کہ صدیوں کی تقلید اور فکر و تدبر کو چھوڑ دینے کے کتنے اثرات بد ہوئے ہیں۔ اس تحقیق پر ابھارنے پر اگرچہ بنیادی کردار ڈاکٹر اسرار احمد ہی کا ہے اور انہوں نے ہمیں سٹاف کالج میں لیکچر کے دوران صحیح طور پر نصیحت کی تھی کہ ہر مسلمان کو قرآن پاک میں خود بھی غور و فکر اور تحقیق کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک عام آدمی اور مسلمان کا تحقیق کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ کسی عالم کا۔ اس سے کلام پاک کو سمجھنے میں مختلف راہیں کھلیں گی۔ اور آج کل نظر بھی یہی آ رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی بھی یہی نصیحت تھی بلکہ انہوں نے تو مدارس میں بھی یہی طریقہ رائج کیا تھا کہ پہلے کسی کی تفسیر نہ پڑھو کیونکہ وہ پہلے پڑھ لی تو پھر آپ کا ذہن آزاد خیلی سے محروم ہو جائے گا۔

اس لئے ،محدود علم کے باوجو، ریسرچ کے مشکل کام میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت مندرجہ ذیل مزید وجوہات سے بھی ہوئی؛۔

فقۃ الزکوۃ کے مصنف، ڈاکٹر یوسف قرضادی صاحب کے اس ریمارک سے " کہ اگرچہ اجتہاد اب اجتماعی کام بن گیا ہے پھر بھی ذاتی اجتہاد اجتماعی اجتہاد کی راہیں منور کر سکتا ہے۔"

: میں نے علامہ اقبالؒ کا ایک قصہ پڑھا، جس میں ان کے والد صاحب نے ان کو بتایا کہ کلام پاک کی سمجھ تب آئے گی اگر اس کو اس طرح پڑھا جائے جیسے کہ پڑھنے والے کے لئے ہی ابھی ابھی یہ نازل ہو رہا ہے۔ تا کہ وہ اس پر اسی جذبے سے سمجھنے کے لئے غور و فکر اور عمل پر مائل ہو۔ اور علامہ اقبال کے اس شعر نے " کہ ہر "ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ" یعنی ہر فرد اپنی قوم کے لئے ،اپنے ذاتی آیئڈ یاز اور خدمات کے ذریعے قوم کے مقدر کو چار چاند لگا سکتا ہے اور اجتماعی بھلائی میں حصہ ڈال سکتا ہے۔ اور ہر مسلمان ملت کے لیے بڑا کام کر سکتا ہے یہ صرف خواص کا ہی کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کب کس سے کیا کام لیتا ہے یہ اسکی مشیت اور مرضی پر منحصر ہوتا ہے، کسی کا ذاتی کمال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالی کا قانون ہے کہ " **و لا یحیطون بشی من علمه الا بما شـــــاء** ۔ اور اس کے علم میں سے کوئی اس کی مرضی اور مشیت کے بغیر احاطہ نہیں کر سکتا۔ "اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ آئیڈ یاز دیئے ہیں۔ یہ اسی کی دین اور فضل و کرم سے ممکن ہو سکا ہے۔ اس لئے یہ غور و فکر۔ آئیڈ یاز تمام مسلمانوں کے ساتھ شیئر کرنا ضروری ہے۔

فرشتہ زیاض کے اس خیال سے متفق ہوں" کہ اجتہاد۔ یعنی Intellectiual Struggle، دراصل ہر سوچ سمجھ رکھنے والے انسان کا حق بھی ہے اور فرض Duty بھی۔ اس حق کو چھوڑ دینے سے، اعراض یا بچنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی فکر ،Thought کی ترقی کی آزادی اور اس فکر کی ترقی سے انکار کر رہا ہے۔ اور اس طرح انسانی معاشرہ کی ترقی و بڑھوتری کو عضو معطل بنا رہا ہے اور آخر میں بتدریج اس کو فالج یا Paralysis کا شکار بنا رہا ہے۔ علامہ اقبال تو اسلام میں اجتہاد کے اصول کو حرکت کا اصول تصور کرتے ہیں"۔

علامہ ابن قیم کے اس قول سے کہ ''علم کی کنجی حسن سوال ہے۔'' (اور اس کا جواب ڈھونڈنا) یعنی اندھی تقلید کی بجائے سوال کے ذریعے علم و تحقیق اور غور و فکر کر کے اطمینان کر لینا چاہیے۔ ساتھ ساتھ اہل علم و علماء سے استفادہ کرنا بھی ضروری ہے

تہذیبوں کا تصادم ایک حقیقت بن گیا ہے۔، امریکہ کی لیڈر شپ میں یہود، نصاری، ہنود، کی گرو پنگ ،مسلمانوں کے

خلاف، اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے مصروف عمل ہو چکی ہے۔ یہ گروپ، مسلمان ممالک کو، کسی حال میں، ترقی یافتہ اور طاقت ور بنتا نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے اب ہم میں سے ہر ایک کو طاقتور بنانے میں حصہ لینا ہوگا۔ یہ تبھی ممکن ہے، جیسے صاحبزادہ خورشید گیلانی نے نوائے وقت میں ۲۶ مارچ، ۱۹۹۹ میں لکھا تھا؛ ہلال وصلیب کا نیا معرکہ؛۔ اب وقت کا تقاضا ہے کہ مولوی اور مسٹر کی تمیز ختم کر کے ہر ایک کو دین کا سپاہی بن جانا چاہئے۔ کوئی تسبیح پرست ہو، کوئی خامہ بگوش ہو اور کوئی بیلچہ بردار، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا مورچہ سنبھال لے۔ اور ایک دوسرے پر تیر اندازی کا شوق دل سے نکال دے۔ وفورِ عشق میں کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ یہی گر ہے اپنی اپنی جگہ ذرہ کے آفتاب بننے کا۔ اسلئے ہمیں بھی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کو حقیقت بنانے میں علماء کرام کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔

میں ان تمام کتابوں کے مصنفوں، پبلشرز کا بے حد مشکور ہوں جنکے ریفرنس اس کتاب میں استعمال کئے ہیں۔ اور مفتی محمد اسمعیل طوروصاحب کا شکر گزار ہوں کہ ہر موقع پر انہوں نے رہنمائی کی۔ اپنے بھائی بریگیڈیئر (ر) اصغر علی صاحب کا بھی جنہوں نے میرے مسودہ کی پروف ریڈنگ کا مشکل کام کیا اور قیمتی مشورے دیئے۔ اور اُن تمام احباب کا خصوصاً محترم دوست ونگ کمانڈر (ر) حشمت علی خواجہ صاحب اور اپنے بچوں کا جنہوں نے ہر وقت میری ہمت افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا نظرِ کرم فرمائے اور اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

گروپ کیپٹن (ر) امتیاز علی

سُورَۃُ الفِیلِ مَکَّۃ"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِO

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِO

تو نے دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَھُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ O

نہ کر دیا ان کا داؤ غلط

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡھِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَO

اور بھیجے ان پر پرندے تنگ تنگ

تَرۡمِیۡھِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍO

پھینکتے ان پر پتھریاں کھنگر کی

فَجَعَلَھُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍO

پھر کر ڈالا ان کو جیسے بھس کھایا ہوا

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

اس سورۃ کو پڑھنے کے بعد یہ سوالات ذہن میں آتے ہیں۔

ا) ہاتھی والے کون لوگ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

ب) ان کا داؤ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے غلط کر دیا؟

ج) پرندے کہاں سے آئے کیوں آئے کتنے تھے وہ کس قسم کے پرندے تھے؟

د) کتنے بڑے پتھر یا کنگر تھے؟ کس قسم کے تھے؟ کیا وہ پرندے اٹھا سکتے تھے؟

ر) بھس کھایا ہوا سے کیا مراد ہے؟

س) کیا یہ واقعہ ممکن الوقوع ہے؟

تفسیر سورۃ فیل

حاشیہ پر تفسیر از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؛۔: یمن کے ملک پر حبشی غالب رہے۔ایک مدت دیکھا کہ سارے عرب حج کرتے ہیں کعبہ کا۔ چاہا کہ سب جمع ہوں ہمارے پاس۔ کعبے کی نقل ایک کعبہ بنایا۔ دنیا کا تکلف یہاں سے زیادہ۔کوئی نہ آیا زیارت کو۔جھنجھلا کر فوج چڑھائی کعبہ شریف پر۔اور ساتھ لائے کتنے ہاتھی ڈھانے کو۔ بیچ میں کئی قوم عرب کے مزاحم ہوئے۔سب کو مارا۔ جب حرم کی حد میں پہنچے۔آسمان سے جانور آئے سبز۔ چڑیا برابر۔تین تین کنکر لے کر دو پنجوں میں ایک منہ میں۔لاکھوں جانور لگے مارنے کنکر چلتے جیسے بندوق کی گولی۔اگر اونٹ کے پیٹھ میں لگا پیٹ سے نکلا۔آدمی تو کیا چیز ہے۔ساری فوج میں ایک نہ بچا۔اسی سال میں پیچھے ہمارے حضرت پیدا ہوئے۔

حاشیہ قرآن مجید

مولانا اشرف علی تھانوی
تاج کمپنی لمیٹڈ

تفسیر تفہیم القرآن ۔ابوالاعلیٰ مولانا مودودی

آیت نمبر.1 چونکہ یہ واقعہ نبوت سے صرف چالیس پینتالیس سال سے زیادہ پہلے کا نہ تھا اور سارا عرب ہی اس کی ایسی متواتر خبریں دیکھنے والوں سے سن چکا تھا کہ یہ واقعہ لوگوں کے لئے آنکھوں دیکھے واقعہ کی طرح یقینی تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تفصیل بیان نہیں کی کہ ہاتھی والے کون تھے۔کہاں سے آئے تھے اور کس غرض کے لئے آئے تھے یہ سب باتیں سب کو معلوم تھیں۔

آیت نمبر.2 کیـــــد کا مطلب ہے کسی شخص کو نقصان پہنچانے کے لئے خفیہ تدبیر۔ یہاں خفیہ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ یہ وہ حبشیوں کی غرض تھی کہ وہ کعبہ کو ڈھا کر قریش کو کچل کر اور تمام اہل عرب کو مرعوب کر کے تجارت کا وہ راستہ عربوں سے چھین لینا چاہتے تھے جو جنوب عرب سے شام و مصر کی طرف جاتا تھا۔اس غرض کو انہوں نے چھپا رکھا تھا۔اور ظاہر یہ کیا تھا کہ ان کے کلیسا کی بے حرمتی عربوں نے کی ہے۔اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ کعبہ کو ڈھانے آئے ہیں۔

آیت نمبر.3 فی تضلیل یعنی ان کی تدبیر کو اس نے ''گمراہی میں ڈال دیا'' یعنی اسے ضائع کر دیا یا ناکام کر دیا۔

آیت نمبر.4 طیراً ابابیل یعنی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ

اردو زبان میں چونکہ ابابیل ایک خاص قسم کے پرندے کا نام ہے اس لئے ہمارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابرہہ کی فوج پر ابابیلیں بھیجی گئی تھیں۔لیکن عربی زبان میں ابابیل کے معنی یہ ہیں کہ بہت سے متفرق گروہ جو پے در پے مختلف سمتوں سے آئیں خواہ وہ آدمیوں کے ہوں یا جانوروں کے۔

عکرمہؓ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ''یہ جھنڈ کے جھنڈ پرندے بحرِ احمر کی طرف سے آئے تھے۔ اور اس طرح کے پرندے نہ پہلے دیکھے گئے تھے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔ یہ نہ نجد کے پرندے تھے نہ حجاز کے اور نہ تہامہ کے (یعنی حجاز اور بحرِ احمر کے درمیانی ساحلی علاقے کے)''

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ''ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتے جیسے''

عکرمہؓ کا بیان ہے کہ ''ان کا سر شکاری پرندوں جیسا تھا''

اور تقریباً سب راویوں کا متفقہ بیان ہے کہ ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک کنکر تھا اور پنجوں میں دو دو کنکر۔

بعض لوگوں کے پاس یہ کنکر ایک مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابونعیم نے نوفل بن ابی معاویہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے وہ کنکر دیکھے ہیں جو اصحاب الفیل پر پھینکے گئے تھے۔ وہ مٹر کے دانے کے برابر سیاہی مائل سرخ تھے۔ ابن عباسؓ کی راویت ابونعیم نے نقل کی ہے کہ وہ چلغوزے کے برابر تھے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ بکری کی مینگنی کے برابر ظاہر ہے کہ سنگریزے ایک جیسے نہ ہونگے ان میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔

آیت نمبر.5 **بحجارۃ من سجیل** یعنی سجیل کی قسم کے پتھر

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لفظ دراصل فارسی کے الفاظ سنگ اور گل (مٹی) کا معرب (عربی) ہے اور اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو مٹی کے گارے سے بنا ہوا اور پک کر سخت ہو گیا ہو۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ سورۃ ہود آیت 82 اور سورۃ حجر آیت 74 میں کہا گیا ہے کہ قوم لوط پر سجیل کی قسم کے پتھر برسائے گئے تھے اور انہی پتھروں کے متعلق سورۃ ذاریات آیت 33 میں فرمایا گیا ہے کہ وہ **حجارہ من طین** یعنی مٹی کے گارے سے بنے ہوئے تھے۔

آیت نمبر.6 **کعصف ماکول** عصف کے معنی چھلکے کے ہیں جو غلے کے دانوں پر ہوتا ہے اور جسے کسان دانا نکال کر پھینک دیتے ہیں پھر جانور اسے کھاتے ہیں اور کچھ ان کے چبانے کے دوران میں گرتا بھی ہے اور کچھ ان کے پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔

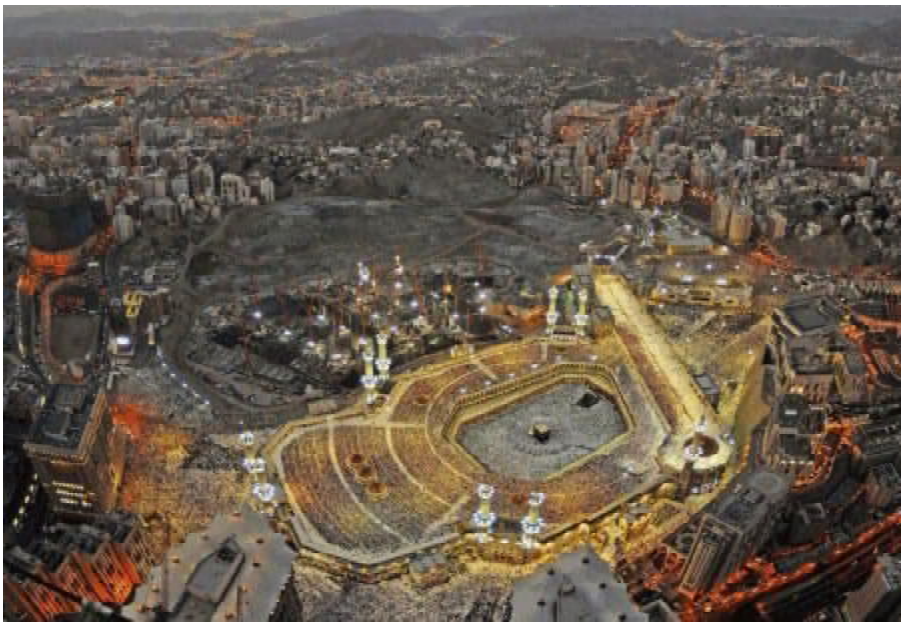

اس نقشے میں ابراہہ کے روٹ کو دکھایا گیا ہے۔

تفسیر تفہیم القرآن

زمانہ نزول

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر کو اگر نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ معظّمہ کے بھی ابتدائی دور میں ہوا ہوگا۔

تاریخی پس منظر

ابن ہشام، طبریؒ، ابن خلدون اور صاحب معجم البلدان وغیرہ اسلامی مورخین نے واقعہ نجران کو یوں بیان کیا ہے۔ حمیر (یمن) کا بادشاہ تبان اسعد ابوکرب ایک مرتبہ یثرب گیا۔ جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے دین یہود قبول کر لیا ور بنی قریظہ کے دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ وہاں اس نے بڑے پیمانے پر یہودیت کی اشاعت کی۔ اس کا بیٹا زونواس اس کا جانشین ہوا اور اس نے نجران پر جو جنوبی عرب میں عیسائیوں کا گڑھ تھا حملہ کیا تا کہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دے۔ اور اس کے بندوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے (ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے اصل دین پر قائم تھے)۔ نجران پہنچ کر اس نے لوگوں کو دین یہود قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے بکثرت لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک کر جلوا دیا۔ اور بہت سوں کو قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ مجموعی طور پر 20 ہزار آدمی مارے گئے۔

اہل نجران میں سے ایک شخص ذوثعلبان بھاگ نکلا اور ایک روایت کی رو سے اس نے قیصر روم کے پاس جا کر اور دوسری روایت کی رو سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے ہاں جا کر اس ظلم کی شکایت کی۔ پہلی روایت کی رو سے قیصر نے حبش کے بادشاہ کو لکھا اور دوسرے روایت کی رو سے نجاشی نے قیصر سے بحری بیڑہ فراہم کرنے کی درخواست کی۔ بہرحال آخر کار حبش کی 70 ہزار فوج ارباط نامی ایک جنرل کی قیادت میں یمن پر حملہ آور ہوئی۔ ذونواس مارا گیا۔ یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور یمن حبش کی عیسائی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

اس واقعہ کو سورہ بروج پارہ 30 میں یوں بیان کیا گیا ہے ''قسم ہے مضبوط قلعوں والے آسمان کی اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی چیز کی کہ مارے گئے گڑھے والے (اصحاب الدخدود) (اس گڑھے والے) جس میں خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن کی آگ تھی۔ جبکہ وہ اس گڑھے کے کنارے پر بیٹھے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور ان اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان رکھتے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور وہ خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

اسلامی مورخین کے بیانات کی نہ صرف تصدیق دوسرے تاریخی ذرائع سے ہوتی ہے۔ بلکہ ان سے بہت سی مزید تفصیلات کا پتہ چلتا ہے۔ یمن پر سب سے پہلے عیسائی حبشیوں کا قبضہ 340ء میں ہوا تھا۔ اور 378ء تک جاری رہا تھا۔ اس زمانے میں عیسائی مشنری یمن میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اسی کے قریب دور میں ایک زاہد، مجاہد، صاحب کشف و کرامت عیسائی سیاح

فیمیون Faymiyun نامی نجران میں پہنچا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو بت پرستی کی برائی سمجھائی اور اس کی تبلیغ سے اہل نجران عیسائی ہو گئے۔ ان لوگوں کا نظام تین سردار چلاتے تھے۔ ایک سید جو قبائلی سردار کی طرح بڑا سردار اور خارجی معاملات، معاہدات اور فوجوں کی قیادت کا ذمہ دار تھا۔ دوسرا عاتب جو داخلی معاملات کا نگران تھا۔ اور تیسرا اسقف (بشپ) جو مذہبی پیشوا ہوتا تھا۔ جنوبی عرب میں نجران کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز تھا۔ ٹسر، چمڑے، اور اسلحہ کی صنعتیں یہاں چل رہی تھیں۔ مشہور حلّہ ء یمانی بھی یہیں تیار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر محض مذہبی وجوہ ہی سے نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی وجوہ سے بھی ذونواس نے اس اہم مقام پر حملہ کیا۔ نجران کے سید حارثہ کو جسے مریانی مورخین (Arethas) لکھتے ہیں قتل کیا۔ اس کی بیوی روحہ کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو مار ڈالا اور اسے ان کا خون پینے پر مجبور کیا پھر اسے بھی قتل کر دیا۔ اسقف پال (Paul) کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلا دیں۔ اور آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں عورت، بچے، بوڑھے، پادری، راہب سب کو پھنکوا دیا۔ مجموعی طور پر 20-40 ہزار تک مقتولین کی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ اکتوبر 523ء میں پیش آیا تھا۔ آخر کار 525ء میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کر کے ذونواس اور اس کی حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی تصدیق حصن غراب کے کتبے سے ہوتی ہے۔ جو یمن میں موجودہ زمانہ کے محققین آثار قدیمہ کو ملا ہے۔

چھٹی صدی عیسوی کی متعدد تحریرات میں اصحاب اُخدود کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض عین زمانہ حادثہ کی لکھی ہوئی ہیں اور عینی شاہدوں سے سن کر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے تین کتابوں کے مصنف اس واقعہ کے ہم عصر ہیں۔ ایک پروکوپیوس۔ دوسرا کوسماس انڈیکوپلیوٹس (Cosmos Indicopleautus) جو نجاشی ایلس بواں (Elesboan) کے حکم سے اس زمانے میں بطیلموس کی یونانی کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا۔ اور حبش کے ساحلی شہر اڈولیس (Adolis) میں مقیم تھا تیسرا یوحنس ملالا (Johannes Malala) جس سے بعد کے متعدد مورخین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یوحنس افسوس (Johannes of Ephesus) متوفی 585ء نے اپنی تاریخ کینسہ میں نصاریٰ نجران کے عذاب کا قصہ اس واقعہ کے معاصر راوی اسقف مار شمعون (Simeon) کے ایک خط سے نقل کیا ہے۔ جو اس نے دیر جبلہ کے رئیس ایبٹ وان گبولا (Abbot Von Gabula) کے نام لکھا تھا اور مار شمون نے اپنے خط میں یہ واقعہ ان اہل یمن کے آنکھوں دیکھے بیان سے روایت کیا ہے۔ جو اس موقع پر موجود تھے۔ یہ خط 1888ء میں روم سے اور 1890ء میں شہدائے مسیحیت کے حالات کے سلسلے میں شائع ہوا ہے۔ یعقوبی بطریق ڈایونیسیوس (Patriarch Dionusius) اور زکریا مدلّی (Zacharia of Mitylene) نے اپنی سریانی تاریخوں میں بھی اس واقعہ کی نقل کیا ہے۔ یعقوب سروجی کی کتاب در باب نصاریٰ نجران میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ الرّھا (Edessa) کے اسقف پولس (Polus) نے نجران کے ہلاک شدگان کا مرثیہ لکھا جواب بھی دستیاب ہے۔ سریانی زبان کی کتاب الحمسریین کا انگریزی ترجمہ (Book of the Himyarites) 1924ء میں لندن سے شائع ہوا ہے۔ اور وہ مسلمان مورخین کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ برٹش میوزیم میں اس عہد اور اس سے قریبی عہد کے کچھ حبشی مخطوطات بھی موجود ہیں۔ جو اس قصے کی تائید کرتے ہیں۔ فلبی نے اپنے سفرنامے (Arabian Highlands) میں لکھا ہے کہ نجران

کے لوگون میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں اصحاب اخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔ امّ خرق کے پاس ایک جگہ چٹانوں میں کھدی ہوئی کچھ تصویریں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کعبہ نجران جس جگہ واقع تھا اس کو بھی آج کل کے اہل نجران جانتے ہیں۔

حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنائی تھی جسے وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ اس کے اساقفہ عمامہ باندھتے تھے اور اس کو حرم قرار دیا گیا تھا۔ رومی سلطنت بھی اس کعبہ کے لئے مالی اعانت بھیجتی تھی۔ اسی کعبہ نجران کے پادری اپنے سیّد، عاتب اور اسقف کی قیادت میں مناظرے کے لئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اور مباہلہ کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس کا ذکر سورہ آل عمران آیت نمبر 61 میں کیا گیا ہے۔ (فتح مکہ کے بعد جب تمام اہل عرب کو یقین ہو گیا کہ اب ملک کا مستقبل حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہے تو عرب کے مختلف گوشوں سے وفد آپ کے پاس آنے لگے۔ اس سلسلے میں نجران کے تینوں عیسائی سردار بھی 60 آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینے پہنچے۔ جنگ کے لئے بہر حال وہ تیار نہ تھے۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ نجران کا علاقہ جو کہ حجاز اور یمن کے درمیان واقع ہے، 73 بستیوں پر مشتمل تھا اور ایک لاکھ 20 ہزار قابل جنگ مرد اس میں سے نکل سکتے تھے۔ اس موقع پر ان لوگوں کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا وہ اسلام قبول کرتے ہیں یا ذمی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آل عمران آیت 33 سے یہ خطبہ نازل کیا تا کہ اس کے ذریعے سے وفدِ نجران کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ اس کے نزول کا زمانہ 9ھ کا تھا۔

525ء میں اس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم کرنے کی یہ ساری کاروائی دراصل قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اور حبش کی حکومت کے باہم تعاون سے ہوئی تھی۔ کیونکہ حبشیوں کے پاس اس وقت کوئی قابل ذکر بحری بیڑہ نہ تھا۔ بیڑا رومیوں نے فراہم کیا تھا۔ اور حبش نے اپنی 70 ہزار فوج اسی کے ذریعہ سے یمن کے ساحل پر اتاری۔ آگے کے معاملات سمجھانے اور سمجھنے کے لئے یہ بات ابتدا ہی میں جان لینی چاہیے کہ یہ سب کچھ مذہبی جذبے سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے پیچھے معاشی وسیاسی اغراض بھی کام کر رہی تھیں۔ بلکہ غالباً وہی اس کی اصل محرک تھیں۔ اور عیسائی مظلومین کے خون کا انتقام ایک بہانے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ رومی سلطنت جب سے مصر و شام پر قابض ہوئی تھی اسی وقت سے اس کی یہ کوشش تھی کہ مشرقی افریقہ ہندوستان، انڈونیشیا وغیرہ ممالک اور رومی مقبوضات کے درمیان جس تجارت پر عرب صدیوں سے قابض چلے آ رہے تھے اسے عربوں کے قبضے سے نکال کر وہ خود اپنے قبضے میں لے لے۔ تا کہ اس کے منافع پورے کے پورے اسی کو حاصل ہوں اور عرب تاجروں کا واسطہ درمیان سے ہٹ جائے۔ اس مقصد کے لئے 24ء یا 25ء قبل مسیح میں قیصر آگسٹس نے ایک بڑی فوج رومی جنرل ایلیس گالوس Aelius Gallus کی قیادت میں عرب کے مغربی ساحل پر اتار دی تھی تا کہ وہ اس بحری راستے پر قابض ہو جائے جو جنوبی عرب سے شام کی طرف جاتا تھا لیکن عرب کے شدید جغرافیائی حالات نے اس مہم کو ناکام کر دیا۔ اس کے بعد رومی اپنا جنگی بیڑہ بحر احمر پر لے آئے۔ اور انہوں نے عربوں کی اس تجارت کو ختم کر دیا جو وہ سمندر کے راستے کرتے تھے اور صرف بری راستے ان کے لئے باقی رہ گئے۔ اس بری راستہ کو قبضے میں لینے کے لئے انہوں نے حبش کی عیسائی حکومت سے گٹھ جوڑ کیا اور بحری بیڑے سے اس کی مدد کر کے اس کو یمن پر قابض کروا دیا۔

یمن پر جو حبشی فوج حملہ آور ہوئی تھی اس کے متعلق عرب مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ دو امیروں کی قیات میں تھی ایک ارياط اور دوسرا ابرھہ۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس فوج کا امیر ارياط تھا اور ابرھہ اس میں شامل تھا۔ ابرھہ ملک پر قابض ہو گیا۔ اور پھر اس نے شاہ حبش کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔ اس کے برعکس یونانی اور سریانی مورخین کا بیان ہے کہ فتح یمن کے بعد جب حبشیوں نے مزاحمت کرنے والے یمنی سرداروں کو ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کیا تو ان میں ایک سردار اسمفیج اشوع (جسے یونانی Esymphaeaus لکھتے ہیں) نے حبشیوں کی اطاعت قبول کر کے اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کر کے شاہ حبش سے یمن کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لیکن حبشی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابرھہ کو اس کی جگہ گورنر مقرر کر لیا۔ یہ شخص حبشہ کی بندرگاہ، ادولیس کے ایک یونانی تاجر کا غلام تھا۔ جو اپنی ہشیاری سے یمن پر قبضہ کرنے والی حبشی فوج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر گیا تھا۔ شاہ حبش نے اس کی سرکوبی کے لئے جو فوجیں بھیجی تھیں وہ یا تو اس سے مل گئیں یا اس نے ان کو شکست دے دی۔ آخر کار شاہ حبش کے مرنے کے بعد اس کے جانشین نے اس کو یمن پر اپنا نائب سلطنت تسلیم کر لیا۔ (یونانی مورخین اس کا نام ابرامس Abrames اور سریانی مورخین ابراھام Abraham لکھتے ہیں) ابرھہ غالباً اسی کا حبشی تلفظ ہے کیونکہ عربی میں تو اس کا تلفظ ابراہیم ہے)۔

یہ شخص رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بن گیا۔ مگر برائے نام اس نے شاہ حبش کی بالادستی قائم رکھی تھی اور اپنے آپ کو مفوض الملک (نائب شاہ) لکھتا تھا۔ اس نے جو اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ جب 543ء میں وہ سدّ مارب کی مرمت سے فارغ ہوا۔ تو اس نے ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں قیصر روم، شاہ ایران، شاہ حیرہ اور شاہ غسان کے سفیر شریک ہوئے۔ اس کا مفصل تذکرہ اس کتبے میں درج ہے جو ابرھہ نے سد مارب پر لگایا تھا۔ یہ کتبہ آج بھی موجود ہے اور گلیزر (Glaser) نے اس کو نقل کیا ہے۔

تاریخ کی رو سے 'سبا' جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے بڑے قبائل پر مشتمل تھی بہت قدیم زمانے سے دنیا میں عرب کی اس قوم کا شہرہ تھا۔ 2500ء قبل مسیح سے اور پھر زبور اور بائبل میں بھی کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے یونان و روم کے مورخین بھی 288ء قبل مسیح سے مسیح کے بعد کی کئی صدیوں تک اس کا ذکر کرتے گئے ہیں۔ اس کا وطن عرب کا جنوبی مغربی کونہ تھا جو آج یمن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے عروج کا دور گیارہ سو قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی مگر جب اس کی ملکہ حضرت سلیمان (965-926 ق م) کے ہاتھ پر ایمان لے آئی۔ تو اغلب یہ ہے کہ اس کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی مگر بعد میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر شرک و بت پرستی کا پھر زور ہو گیا۔ اس کی ترقی کے ادوار یہ ہیں۔ 65 ق م سے پہلے کا دور۔ اس دور میں بادشاہ عام طور پر کاہن بادشاہ تھے یا (Priest Kings) تھے جو انسانوں اور خداؤں کے درمیان اپنے آپ کو واسطہ قرار دیتے تھے۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جو وقتاً فوقتاً مختلف بادشاہ وسیع کرتے گئے دوسرا دور 650 ق م سے 115 ق م تک کا دور ہے۔ اس دور میں بادشاہوں نے ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کیا۔ اس زمانے میں دارالحکومت کو صرواح سے تبدیل کر کے مارب لے آیا گیا۔ یہ مقام سمندر سے 3900 فٹ کی بلندی پر صفاء سے 60 میل جانب مشرق واقع ہے۔ اور

آج تک اس کے کھنڈر شہادت دے رہے ہیں کہ یہ کبھی ایک بڑی متمدن قوم کا مرکز تھا۔ تیسرا دور 115 ق م سے 300ء تک کا دور ہے اسی دور میں پہلی مرتبہ اس خطے کا نام یمنت اور یمنات استعمال ہوا جو رفتہ رفتہ یمن مشہور ہو گیا۔ یعنی عیسر سے عدن تک اور باب المندب سے حضر موت تک۔ اس دور میں سبائیوں کا زوال شروع ہوا۔ چوتھا دور 300ء سے آغاز اسلام تک کا دور ہے۔ اس میں سبائیوں کے یہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں۔ بیرونی قوموں کی مداخلت ہوئی۔ اور تجارت برباد ہوئی۔ زراعت نے دم توڑ دیا۔ آخر کار آزادی تک ختم ہو گئی۔ 340ء سے 378ء تک یمن پر حبشیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ پھر آزادی بحال ہوئی تو مآرب کے مشہور بند میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار 450ء تا 451ء میں بند کے ٹوٹنے سے وہ عظیم سیلاب آ گیا جس کا ذکر سورۃ سبا میں ذکر کیا گیا ہے۔ (سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں۔ کہا ہم نے کہ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا ۔ ملک ہے عمدہ، پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا مگر وہ منہ موڑ گئے آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا۔ اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیئے جن میں کڑوے کیلے پھل اور جھاڑ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا۔ اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔ آیت 16-15 سورۃ سبا)

اگر چہ اس کے بعد ابرھہ کے زمانے تک اس بند کی مسلسل مرمتیں ہوتی رہیں لیکن جو آبادی ایک دفعہ منتشر ہو گئی وہ پھر جمع نہ ہو سکی اور آب پاشی زراعت کا جو نظام درہم برہم ہوا تو دوبارہ بحال نہ ہو سکا۔

قوم سبا کا عروج دراصل دو بنیادوں پر قائم تھا۔ ایک زراعت دوسرا تجارت۔ زراعت کو انہوں نے آب پاشی کے ایک بہترین نظام کے ذریعہ سے ترقی دی تھی جس کے مثل کوئی دوسرا نظام آب پاشی بابل کے سوا قدیم زمانے میں کہیں نہ پایا جاتا تھا۔ ان کی سرزمین میں قدرتی دریا نہ تھے۔ بارش کے زمانے میں پہاڑوں سے برساتی نالے بہ نکلتے تھے۔ انہی نالوں پر سارے ملک میں جگہ جگہ بند باندھ کر انہوں نے تالاب بنا لئے تھے۔ اور ان سے نہریں نکال کر پورے ملک کو سیراب کرتے تھے۔ سب سے بڑا شہر مارب کے قریب کوہ بلق کی درمیانی وادی میں بند باندھ کر تیار کیا گیا تھا۔

تجارت کے لئے خدا نے اس قوم کو بہترین جغرافیائی مقام عطا کیا تھا۔ جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہی قوم مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔ ایک طرف ان کے بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالابار کے گرم مسالے ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اور دوسری طرف یہ ان چیزوں کو مصر اور شام کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے جہاں سے روم و یونان تک یہ مال روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کے علاقے میں لوبان، عود، عنبر، مشکہ، مر، قرضہ، قصب الزریرہ، سلیخہ اور دوسری خوشبودار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی۔ جنہیں شام و مصر اور روم و یونان کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔

اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے ایک بحری اور دوسرا بری۔ بحری تجارت کا اجارہ ہزار سال تک انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کیونکہ بحر احمر کی موسمی ہوائیں، زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے۔ اور دوسری کوئی قوم اس خطرناک سمندر میں جہاز چلانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس بحری راستے سے یہ لوگ اردن، مصر کی بندرگاہوں تک اپنا مال پہنچایا کرتے تھے۔ بری راستے عدن اور حضر موت سے مارب پر جا کر ملتے تھے اور پھر وہاں سے ایک شاہراہ مکہ، جدہ، یثرب، العلاء، تبوک اور املیہ سے گزرتی ہوئی پٹرا تک پہنچتی تھی۔ اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسرا راستہ شام کی طرف جاتا تھا۔ اس بری راستے پر جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ سے حدود شام تک سبائیوں کی نوآبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب و روز تجارتی قافلے یہاں سے گزرتے رہتے تھے۔ آج تک ان میں سے بہت سی نوآبادیوں کے آثار موجود ہیں اور وہاں سبائی وحمیری زبان کے کتبے مل رہے رہیں۔ (سورۃ سبا۔ اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی (شام و فلسطین) وہاں بستیاں بسا دی تھیں۔ اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں۔ چلو پھر وان راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔ مگر انہوں نے کہا اے ہمارے رب۔ ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے'' انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا آخر کار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا۔ اور انہیں تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً اس میں نشانیان ہیں ہر اس شخص کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہے۔ آیت 18, 19)۔

پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ زمانے میں اس تجارت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ مشرق اوسط میں جب یونانیوں اور پھر رومیوں کی طاقت ور سلطنتیں قائم ہوئیں تو شور مچنا شروع ہوا کہ عرب جو اپنی اجارہ داری کے باعث مشرق کے اموال تجارت کی من مانی قیمتیں وصول کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم خود اس میدان میں آگے بڑھ کر اس تجارت پر قبضہ کر لیں۔ اس غرض کے لئے سب سے پہلے مصر کے یونانی الاصل فرمانروا، بطلیموس ثانی (285-246 ق م) نے اس قدیم نہر کو پھر سے کھولا جو 17 سو برس پہلے فرعون سیسوستیر لیس نے دریائے نیل کو بحر احمر سے ملانے کے لئے کھدوائی تھی اس نہر کے ذریعے سے مصر کا بحری بیڑہ پہلی مرتبہ بحر احمر میں داخل ہوا۔ لیکن سبائیوں کے مقابلے میں یہ کوششیں زیادہ کارگر نہ ہو سکیں۔ پھر جب مصر پر روم کا قبضہ ہو گیا۔ تو رومی زیادہ طاقت ور بیڑا بحر احمر میں لے آئے۔ اور اس کی پشت پر انہوں نے جنگی بیڑا بھی لا کر ڈال دیا۔ اس طاقت کا مقابلہ سبائیوں کے بس میں نہ تھا۔ رومیوں نے جگہ جگہ بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نوآبادیاں قائم کیں ان میں جہازوں کی قیام کی گزرگاہیں قائم کیں۔ اور

جہاں ممکن ہوا وہاں اپنے فوجی دستے بھی رکھے۔حتیٰ کہ ایک وقت آ گیا کہ عدن پر رومیوں کا فوجی تسلط قائم ہو گیا۔اسی سلسلے میں رومی اور حبشی سلطنتوں نے سبائیوں کے مقابلے میں باہم ساز باز بھی کرلیا۔جس کی بدولت بالآخر اس قوم کی آزادی تک ختم ہوگئی۔

بحری بیڑہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد صرف بری تجارت سبائیوں کے پاس رہ گئی تھی۔مگر بہت سے اسباب نے رفتہ رفتہ اس کی کمر بھی توڑ دی۔پہلے نبطیوں نے پیٹرا سے العلاء تک بالائی حجاز اور اردن کی تمام نوآبادیوں سے سبائیوں کو نکال باہر کیا۔پھر 106ء میں رومیوں نے نبطی سلطنت کا خاتمہ کیا اور حجاز کی سرحد تک شام و اردن کے تمام علاقے ان کے مضبوط ہاتھوں میں چلے گئے۔اس کے بعد حبش اور ادم کی متحدہ کوشش یہ رہی کہ سبائیوں کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر ان کی تجارت کو بالکل تباہ کر دیا جائے اسی بنا پر حبشی بار بار یمن میں مداخلت کرتے رہے یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اس گڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم کبھی سر نہیں نکال سکی ہے۔ایک وقت تھا کہ اس کی دولت کے افسانے دور دور تک سنائے جاتے تھے۔اور یونان و روم والوں کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔اسٹرابو لکھتا ہے کہ یہ لوگ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے ہیں۔اور ان کے مکانوں کے چھتوں دیواروں اور دروازوں تک میں ہاتھی دانت،سونے چاندی اور جواہر کا کام بنا ہوا ہوتا تھا۔پلینی لکھتا ہے کہ روم و فارس کی دولت ان کی طرف بہی چلی جاتی ہے۔یہ اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم تھی۔اور ان کا سرسبز شاداب ملک باغات کھیتوں اور مواشی سے بھرا ہوا ہے آر۔ٹی،میڈورس کہتا ہے کہ یہ لوگ عیش میں مست ہو رہے ہیں۔اور جلانے کی لکڑی کی بجائے دار چینی،صندل،اور دوسری خوشبودار لکڑیاں جلاتے ہیں۔اسی طرح دوسرے یونانی مورخ روایت کرتے ہیں۔کہ ان کے علاقے کے قریب سواحل سے گزرتے ہوئے جہازوں تک خوشبو کی لپیٹیں پہنچتی تھیں۔انہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ صفا کے بلند پہاڑی مقام پر وہ فلک شکاف عمارت (Skyscraper) تعمیر کی جو قصر غمدان کے نام سے صدیوں تک مشہور رہی ہے۔عرب مورخین کا بیان ہے کہ اس کی 20 منزلیں تھیں اور ہر منزل 36 فٹ بلند تھی۔یہ سب کچھ بس اس وقت تک رہا جب تک اللہ کا فضل ان کے شامل حال رہا۔آخر کار جب انہوں نے کفران نعمت کی حد کر دی تو رب قدیر کی نظر عنایت ہمیشہ کے لئے ان سے پھر گئی اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

یمن میں پوری طرح اپنا اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرھہ نے اس مقصد کے لئے کام شروع کر دیا جو اس مہم کو ابتدا سے رومی سلطنت اور اس کے حلیفوں حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا۔یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت پھیلانا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔یہ ضرورت اس بنا پر اور بھی بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ روم کی کشمکش اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔

ابرھہ نے اس مقصد کے لئے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا ذکر عرب مورخین نے القلیس یا القُلیس کے نام سے کیا ہے (یہ یونانی لفظ Ekklesia کا معرب ہے اور اردو کا لفظ کلیسا بھی اسی یونانی لفظ سے ماخوذ ہے) محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف

موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔ (یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ کعبہ کے مقابلے میں ایک دوسرا کعبہ بنائیں اور عرب میں اس کی مرکزیت قائم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نجران میں بھی ایک کعبہ بنایا تھا۔)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرا دی۔ اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائے تا کہ وہ کوئی ایسی کاروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبے کو منہدم کر دینے کا بہانہ مل جائے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان پر غضب ناک ہو کر ایک عرب نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا۔ اور مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اس کلیسا میں آگ لگا دی تھی۔ ان میں سے کوئی واقع بھی اگر پیش آیا ہو تو کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کیونکہ ابرھہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب یا قریشی یا چند قریشی نوجوانوں کا مشتعل ہو کر کلیسا کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا کوئی نا قابل فہم بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ ابرھہ نے خود اپنے کس آدمی سے خفیہ طور پر ایسی کوئی حرکت کرائی ہوتا کہ اسے مکہ پر چڑھائی کرنے کا بہانہ مل جائے اور اس طرح وہ قریش کو تباہ اور تمام اہل عرب کو مرعوب کر کے اپنے دونوں مقصد حاصل کر لے بہر حال دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو جب ابرھہ کے پاس یہ رپورٹ پہنچی کہ کعبے کے متقدمین نے اس کلیسا کی یہ توہین کی ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبہ کو ڈھا نہ دوں گا۔

اس کے بعد وہ 570ء تا 571 عیسوی میں 60 ہزار فوج اور 13 ہاتھی (اور بروایت بعض 9 ہاتھی) لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے ایک سردار ذونفر نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے اس کی مزاحمت کی مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا پھر خثعم کے علاقے میں ایک عرب سردار نُفَیل بن حبیب خثعمی اپنے قبیلے لے کر مقابلے پر آیا مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ اور اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدرقے کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔ طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف نے محسوس کیا کہ اتنی بڑی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ ان کے معبود لات کا سر بھی تباہ نہ کر دے۔ چنانچہ قریش کا سردار مسعود ایک وفد لے کر ابرھہ سے ملا اور اس نے کہا کہ ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں ہے جسے آپ ڈھانے کے لئے آئے ہیں۔ وہ تو مکہ

میں ہے اس لئے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں۔ ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لئے آپ کو بدرقہ (رہنما) فراہم کئے دیتے ہیں۔ ابرھہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنی ثقیف نے ابورخال نامی ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا جب مکہ تین کوس رہ گیا تو المغمس نامی مقام پر پہنچ کر ابورخال مر گیا ور عرب مدتوں تک اس کی قبر پر سنگ بازی کرتے رہے۔ بنی ثقیف کو بھی وہ سالہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرھہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کی کہ اہل مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکے کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرھہ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں ابرھہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ وہ چاہے گا تو اس گھر کو بچا لے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرھہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجیہہ اور شاندار شخص تھے کہ ان کو دیکھ کر ابرھہ بہت متاثر ہوا۔ اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ ابرھہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا مگر آپ کی اسی بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا ہے کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دین آبائی کا مرجع ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اپنی چیز کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ ابرھہ نے جواب دیا وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرھہ کے پاس سے اُٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

ابن عباس کی روایت اس سے مختلف ہے اس میں اونٹوں کے مطالبے کا کوئی ذکر نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ابرھہ القیضاح کے مقام پر پہنچا (جو عرفات اور طائف کے پہاڑوں کے درمیان حدود حرم کے قریب واقع ہے) تو عبدالمطلب خود اس کے پاس گئے اور اس سے کہا۔ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو اگر کوئی چیز مطلوب تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے ہم خود لے کر آپ کے پاس حاضر ہو جاتے۔ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے یہ گھر امن کا گھر ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا یہ اللہ کا گھر ہے آج تک اس نے کسی کو اس پر مسلط نہیں کیا اور نہ ہونے دیا ہے۔ ابرھہ نے جواب دیا۔ ہم اسے منہدم کئے بغیر نہ پلٹیں گے۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ مگر ابرھہ نے انکار کر دیا اور عبدالمطلب کو پیچھے چھوڑ کر اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

دونوں روایتوں کے اس اختلاف کو اگر ہم اپنی جگہ رہنے دیں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں تو ان میں سے جو صورت بھی پیش آئی ہو بہرصورت یہ امر بالکل واضح ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس کے قبائل اتنی بڑی فوج سے لڑ کر کعبے کو بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے یہ بالکل قابل فہم بات ہے کہ قریش نے اس کی مزاحمت بالکل نہ کی۔ اور نہ کوشش کی۔ قریش کے لوگ تو جنگ احزاب میں مشرک اور یہودی قبائل کو ملا کر زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہزار کی جمعیت فراہم کر سکے تھے۔ وہ 60 ہزار کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابرھہ کی لشکر گاہ سے واپس ہو کر عبدالمطلب نے قریش والوں سے کہا کہ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم میں حاضر ہوئے اور کعبے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اس وقت خانہ کعبہ میں 360 بت موجود تھے۔ مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انہوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلایا ان کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہیں ان میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشام نے سیرت میں عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

لاھم ان العبد یمنع رحلہ نا منع ملالک خدایا بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لا یغلبین صلیبھم و محالھم عدداً محالک کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے۔

ان کنت قار کھم و قیلتنا قاصر ھم بدالک اگر تو ان کو اور ہمارے قبیلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر سبیلی نے روض الانف میں اس سلسلے کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

دارلفر نا علی آل العلیب و عابدیہ الیوم آلک

صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما۔

ابن جریر نے عبدالمطلب کے اشعار بھی نقل کئے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے انہوں نے پڑھے تھے۔

اے میرے رب تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔

اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔

اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک۔

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے اور دوسرے روز ابرھہ مکے میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر اس کا خاص ہاتھی محمود جو آگے آگے تھا۔ یکا یک بیٹھ گیا۔ اس کو بہت تبر مارے گئے آنکھوں سے کچھوکے دیئے گئے یہاں تک کہ اسے زخمی کر دیا گیا مگر وہ نہ ہلا۔ اسے جنوب، شمال مشرق، کی طرف موڑ کر چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا۔ مگر مکے کی طرف موڑا جاتا تو وہ فوراً بیٹھ جاتا۔ اور کسی طرح آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے ہوئے آئے اور انہوں نے اس لشکر پر ان سنگریزوں کی بارش کر دی۔ جس پر

بھی یہ کنکر گرتے اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا۔محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا۔اور بلاد عرب میں سب سے پہلے چیچک اس سال دیکھی گئی۔ابن عباس کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی۔اور کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنے لگتا۔یا جھڑنا شروع ہو جاتا۔ابن عباس کی دوسری روایت یہ ہے کہ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا۔اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔خود ابرھہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا۔اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا۔نفیس بن حبیب خشعی اپنے بدرقہ سے واپسی کا راستہ پوچھا۔مگر اس نے انکار کر دیا۔اور کہا۔اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ خدا تعاقب کر رہا ہے۔اور نکٹا (ابرھہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔

اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گرتے رہے۔عطاء بن یسارؒ کی روایت ہے کہ سب کے سب اسی وقت ہلاک نہیں ہو گئے۔ بلکہ کچھ تو وہیں ہلاک ہو گئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے بھر گرتے چلے گئے ابرھہ بھی بلاد خشعم پہنچ کر مرا۔

یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب محسر کے مقام پر پیش آیا تھا۔صحیح مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کا جو قصہ امام جعفر صادقؒ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے اور انہوں نے حضرت جابر بن عبدالعد سے نقل کیا ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ جب مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلے تو محسر کی وادی میں آپ نے رفتار تیز کر دی۔امام نووی اس کی شرح کرتے لکھتے ہیں۔کہ اصحاب فیل کا واقعہ اس جگہ پیش آیا تھا۔اس لئے سنت یہی ہے کہ آدمی یہاں سے جلدی سے گزر جائے۔موطا میں امام مالک روایت کرتے ہیں۔کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مزدلفہ پورا کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے۔مگر محسر کی وادی میں نہ ٹھہرا جائے۔

نفیس بن حبیب کے جو اشعار ابن اسحاق نے نقل کئے ہیں ان میں وہ اس واقعہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے۔

اے ردینہ کاش تو دیکھتی اور تو نہ دیکھ سکے گی جو کچھ ہم نے وادی غصب کے قریب دیکھا۔

میں نے اللہ کا شکر کیا جب میں نے پرندوں کو دیکھا اور مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ کہ کہیں پتھر ہم پر نہ آ پڑیں۔ ان لوگوں میں سے ہر ایک تفصیل کو ڈھونڈ رہا تھا۔ گویا کہ میرے اوپر حبشیوں کا کوئی قرض آتا تھا۔

یہ اتنا بڑا واقعہ تھا جس کی تمام عرب میں شہرت ہوگئی تھی۔ اور اس پر بہت سے شعراء نے قصائد کیے۔ ان قصائد میں یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ سب نے اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجاز قرار دیا۔ کہ جو کہیں اشارۃ و کنایۃ بھی یہ نہیں کیا کہ اس میں ان بتوں کا بھی دخل تھا۔ جو کعبہ میں پوجے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن المیز بصریٰ کہتا ہے۔

60 ہزار تھے وہ جو اپنی سرزمین کی طرف واپس نہ جا سکے اور نہ واپس ہونے کے بعد ان کا بیمار (ابرھہ) زندہ رہا۔ ہاں ان سے پہلے عاد اور جرھم تھے اور اللہ بندوں کے اوپر موجود ہے جو اسے قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ابوقیس بن اسلت کہتا ہے۔

اٹھو۔ روکر اپنے رب کی عبادت کرو اور مکہ کی پہاڑیوں کے درمیان بیت اللہ کے کونوں کو مسح کرو۔ جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی تو اس بادشاہ کے لشکر نے ان لوگوں کو اس حال میں پھیر دیا کہ کوئی خاک میں پڑا تھا اور کوئی سنگسار کیا ہوا تھا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت ام ھانیؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے 10 سال اور (براویت بعض 7 سال) تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔

جس سال یہ واقعہ پیش آیا اہل عرب اس کو عام الفیل (ہاتھیوں کا سال) کہتے ہیں۔ اور اسی سال رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ محدثین اور مورخین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اصحاب الفیل کا واقعہ محرم میں پیش آیا تھا۔ اور حضورؐ کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ اکثریت یہ کہتی ہے کہ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے 50 دن بعد ہوئی۔

واقعہ فیل کی سائنسی تشریح

کیا یہ واقعہ جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے سائنسی اعتبار سے ممکن الوقع ہے؟ اور کیا اس کا ثبوت مہیا کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! اس واقعہ کو سائنس کے موجودہ علوم کی روشنی میں ایک حد تک حل کیا جا سکتا ہے۔ جو بخوبی ثابت کر سکتا ہے کہ یہ واقعہ ہونا ممکنات میں سے ہے۔ بعض سوالوں کے جواب حل طلب ہیں جو کہ آنے والا وقت انشاء اللہ مہیا کر دے گا۔ جو باتیں میں اپنے علم سے ثابت کر سکتا ہوں وہ اگلے صفحات میں دی گئی ہیں۔

اس واقعہ کی تفسیر اور تاریخی پس منظر پڑھنے کے بعد جو باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں وہ یہ ہیں۔

ا) خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کی غرض و غایت کے بارے میں ابرھہ کا موقف یہ تھا کہ وہ اپنے گرجا گھر کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کے لئے خانہ کعبہ کو گرانے آیا تھا۔ یعنی اس کی نیت مذہبی انتقام پر مبنی تھی۔ اس نیت میں اس کے افسر اور سپاہی بھی یکساں طور پر شامل ہوں گے۔

ب) خانہ کعبہ کو بچانے سے عرب قاصر تھے۔ راستے میں مزاحمت کرنے والے عرب قبیلے شکست کھا چکے تھے۔ باقی نے ابرھہ سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اور متولی کعبہ یعنی قریش بھی خانہ کعبہ کو اللہ کی حفاظت میں دے کر شہر خالی کر گئے تھے۔ اور قریبی پہاڑیوں پر پناہ لے چکے تھے۔ اور اب ابرھہ کو مزاحمت کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

ج) حملہ کے واقت پہلے تو ہاتھیوں نے کعبہ کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیا اس کے بعد اچانک پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ مختلف اطراف سے آئے اور انہوں نے ابرھہ کے لشکر پر کنکر برسائے جس سے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ تتر بتر ہو کر واپس ہوا۔ کچھ مارے گئے کچھ ایسے زخمی ہوئے کہ ان کا گوشت جھڑنا شروع ہو گیا۔ اور وہ چند دنوں کے اندر اندر مر گئے۔

د) یہ واقعہ معجزانہ طور پر وقوع پذیر ہوا اور اس میں نہ انسانی ہاتھ تھا، نہ ہو سکتا تھا۔ نہ ہی ممکن تھا۔ نہ ایسا واقعہ پہلے کبھی سنا گیا تھا

د) اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ سالوں بعد تک عرب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے اور بعد میں دوبارہ بت پرستی اختیار کر لی۔

ان نتائج کے اخذ کرنے کے بعد ان کی مزید وضاحت کے لئے کلام پاک اور روایات کی روشنی میں اس واقعہ کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے۔ تا کہ ان کو ممکن ہونا ثابت کیا جا سکے۔

ا) پرندوں کا کنکروں سے ابرھہ کے لشکر کو قتل و زخمی کرنا۔

ب) کنکروں سے زخمی ہونے کے بعد ایسی بیماری میں مبتلا ہونا جس سے فوری طور پر زخم سے خون اور پیپ نکلنے لگے اور گوشت جھڑنے لگے۔

ج) معجزانہ یا فطرت کے خلاف عادت واقعہ سے ابرھہ کے لشکر پر نفسیاتی اثرات اور ان کی تباہ کاری۔

د) معجزانہ واقعہ سے عربوں پر نفسیاتی اور روحانی اثرات۔

ان میں سے پہلے جزو (ا) کو علم طبیعات کے حرکت کے کلیوں سے بآسانی اور بخوبی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ ممکن تھا اور ہے کہ اگر کم وزن کا پتھری، گولی کی طرح، تیز رفتار کے ساتھ مارا جائے تو اس میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ وہ ایک انسان، حیوان کو بآسانی قتل یا زخمی کر سکتا ہے۔ یہ تفصیلی ثبوت آپ کو پہلے حصے میں ملے گا۔

کنکر لگنے سے کیا بیماری لاحق ہو سکتی تھی جس سے گوشت جھڑنے لگے اس پر بحث دوسرے حصے میں کی گئی ہے یہ میڈیکل سائنس سے ثابت ہو گیا ہے کہ ایسی بیماری ممکن ہے اور آج کل بھی ہوتی رہتی ہے۔

قتل و زخمی اور بیمار ہونے کے علاوہ اس معجزہ کے ظہور کا نفسیاتی اثر بھی کم ہلاکت خیز نہ تھا۔ عام فہم نفسیات کے علم اور روزانہ کے تجربات سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ دراصل نفسیاتی اثر ہی بیماری کو اور خراب کرنے کا باعث بنا ہوگا۔ جس سے زیادہ تباہی پھیلی۔ ابرھہ کے لشکر میں نفسیاتی اثرات پر بحث تیسرے باب میں کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کی آمد، اور ابرھہ کے لشکر کی تباہی سے عربوں پر بھی نفسیاتی اثرات مرتب ہوئے جس سے ان کی روحانی اصلاح ہوئی اگرچہ وہ دیرپا ثابت نہ ہو سکی اس پر بحث چوتھے باب میں کی گئی ہے۔

اس واقعہ کو ممکن بنانے کے عوامل کے بارے میں چند ایسے سوالات ذہن میں آتے ہیں جن کی سائنسی و عقلی تشریح و توجیہہ ممکن نہیں۔ اور نہ ہی ان سوالات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ لیکن امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں علم میں اضافہ کے ساتھ ان کا جواب بھی مل جائے گا۔

تمام سائنسی علوم میں ترقی کے باوجود بعض ایسے سوالات ہیں جن کا جواب معلوم کرنا ناممکن رہے گا کیونکہ کسی واقعہ کے ہونے کے لئے جگہ اور وقت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کا فیصلہ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے ارادے اور طریقہ کار کے بارے میں ہیں۔ ان کا حل صرف تقابلی علم یعنی Comparative and Deductive Knowledge سے ہی اخذ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے براہ راست رسائی Direct Access ممکن نہیں ہے۔

آخر میں تمام بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کا بڑا حصہ عقلی اور سائنسی اعتبار سے ممکن الوقوع ہے۔

ا) **<u>پرندوں کے کنکروں سے انسانوں اور جانوروں کے قتل اور زخمی ہو سکنے کا ثبوت:</u>**

کیا پرندوں کے کنکروں میں جو کہ اندازاً مٹر کے دانے کے برابر تھے اتنی طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ انسانوں کو قتل یا زخمی کر سکیں؟

اس سوال کا جواب اثبات میں ہے کہ جی ہاں! ان میں واقعی اتنی قوت اور طاقت حرکت کی بدولت آ سکتی ہے کہ وہ بندوق کی گولی کی طرح آدمیوں کو قتل یا زخمی کر سکیں۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لئے حرکت کے کلیئے سمجھنے کی ضرورت ہے جو کہ آگے بیان کئے جائیں گے۔ پھر بندوق کی گولی کی تفصیلات بیان کی جائیں گی اور پھر یہ فرض کر کے کہ ان کنکروں کی طاقت اگر گولی کے برابر ہو تو ان کا وزن کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ طاقت حاصل کرنے کے لئے وہ کسی خاص بلندی سے گرائے جانے چاہئیں۔ اس لئے آیئے پہلے حرکت کے کلیئے سمجھنے سے ابتداء کرتے ہیں۔

حرکت کے کلیئے

حرکت کے کلیات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سائنس کی ان بنیادی باتوں کا اعادہ کرلیں جو کہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ میں آتی ہیں۔ یہ تشریح وتفصیل صرف ان حضرات کے لئے ہے جن کو سائنس کی تفصیلات معلوم نہ ہوں۔

بنیادی حقائق:

۱) ہرایک چیز وزن رکھتی ہے اور یہ وزن زمین کی کشش کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب ہم کسی وزنی چیز کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو تبھی اس کے وزنی ہونے کا احساس ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ وہ چیز کتنی وزنی ہے۔ یہ وزن ہم مختلف پیمانوں سے گنتے ہیں یعنی سیر، کلوگرام، پونڈ، وغیرہ

۲) اگر کسی چیز کو اوپر کی طرف پھینکا جائے تو وہ چیز ایک خاص بلندی تک جا کر رک جاتی ہے اور پھر نیچے کی جانب گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور زور سے آ کر گرتی ہے جتنی زیادہ بلندی سے یہ چیز گرے گی اتنی ہی اس میں طاقت یا زور زیادہ ہوگا۔

۳) ہر شے کی اپنی ساخت یا ماہیت ہوتی ہے جس کی پہچان اس چیز کے ذرات سے ہوتی ہے۔ مثلاً مٹی کے ڈھیلے میں مٹی کی مقدار اس میں مادہ کی مقدار ہوتی ہے۔ مادہ کی مقدار وزن سے مختلف چیز ہے اگرچہ مادہ کی مقدار بڑھنے یا گھٹنے سے وزن کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔

۴) اگر ہم کسی بھی ساکن یا رکی یا ٹھہری چیز پر طاقت یا زور لگائیں تو وہ چیز حرکت کرنے میں اپنی جسامت یا وزن کے مطابق مزاحمت کرتی ہے۔ اگر طاقت مزاحمت سے زیادہ ہو تو پھر چیز طاقت کے زیر اثر حرکت کرنے لگتی ہے اور جس طرف ہم طاقت لگا رہے ہوتے ہیں اس سمت چلتی ہے اور بتدریج اس کی رفتار بڑھتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ جب فاضل طاقت جو اس چیز کی رفتار کو بڑھا رہی ہوتی ہے اس نئی مزاحمت کے برابر ہو جاتی ہے اور وہ چیز ایک خاص رفتار سے حرکت کرتی رہے گی جب تک کہ وہ طاقت اس پر کام کر رہی ہوتی ہے۔ اگر وہ طاقت گھٹ یا بڑھ جائے تو اس کے مطابق ہی اس چیز کی رفتار گھٹ یا بڑھ جائے گی۔

۵) جب کوئی بھی چیز حرکت کر رہی ہوتی ہے تو اس میں اس حرکت کی بدولت ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ اس چیز کے وزن اور رفتار پر منحصر ہوتی ہے۔ مثلاً ساکن پتھر اگر ہاتھ پر رکھ دیا جائے تو وہ کچھ تکلیف نہیں دیتا اگر اسی پتھر کو ہم تھوڑی سے بلندی سے گرائیں تو پتھر ہاتھ پر تیز رفتاری سے آ کر لگے گا۔ اور اس سے تکلیف ہوگی۔ اگر پتھر کو زور سے پھینک کر مارا جائے تو وہ اور بھی زیادہ تکلیف دے گا۔ اس طرح چھڑی یا ڈنڈے کو بھی زور سے حرکت دے کر مارنے سے وہ جسم کو تکلف دے گا۔ یہ سب مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ حرکت دینے سے چیزوں میں قوت آ جاتی ہے۔ غلیل سے پھینکا ہو چھوٹا پتھر اور بندوق کی گولی اس کی دوسری مثالیں ہیں گولی سب سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے جو کہ صرف تیز رفتاری کی بدولت ہے حالانکہ گولی کا وزن بالکل ہی تھوڑا ہوتا ہے۔

۶) ہر چیز کی ماہیت میں کثافت یا گاڑھا پن مختلف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مختلف چیزوں میں ایک ہی سائز ہونے کے باوجود ان کا وزن مختلف ہوتا ہے۔ اس کی وجہ اس چیز کے ذرات کے ملنے کے طریقے کی وجہ سے ہے۔ جہاں پر ذرات زیادہ قریب قریب ہوتے ہیں اور اس میں مضبوطی سے جڑے ہوتی ہیں وہ چیز مضبوط ہوتی ہے اس کو توڑنا مشکل ہوتا ہے اور اس کا وزن عموماً

زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے پتھر۔ لوہا۔ اینٹ۔ اس کی برعکس وہ چیز جس کے ذرات قریب قریب نہیں ہوتے۔ اوران کا آپس میں تعلق بھی مضبوط نہیں ہوتا وہ چیز نسبتاً کمزور ہوتی ہے۔ اس کا توڑنا آسان ہوتا ہے اوراس کا وزن بھی عموماً کم ہوتا ہے مثلاً ریت، مٹی کے ڈھیلے۔

۷) جب کسی ہلکی یا غیر مضبوط چیز کے ایک خاص وزن کے ڈھیلے کو حرکت دے کر مارا جائے تو وہ دوسرے چیز کے ساتھ لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے اوراس کے ذرات ادھرادھر بکھر جاتے ہیں۔ اور ذرات بکھرنے کے ساتھ ہی قوت بھی ادھرادھر بکھر جاتی ہے۔ اس لئے ایسے ڈھیلے کے لگنے سے چوٹ کم لگتی ہے، بہ نسبتاً ایک پتھر کے جو اس مٹی کے ڈھیلے کے برابر وزن کا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پتھر کے ذرات لگنے پر ٹوٹتے اور بکھرتے نہیں۔ اس لئے تمام قوت یکجا رہتی ہے اور قوت کی سمت میں کام کرتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی تمام طاقت دوسری چیز کو منتقل کر دیتی ہے جس کی وجہ سے چوٹ بہت لگتی ہے۔

۸) جب کوئی چیز ساکن ہوتی ہے تو اس کی رفتار صفر ہوتی ہے اگر اس چیز پر قوت لگائی جائے تو اس چیز کی رفتار بڑھنے لگتی ہے اور قوت کی مقدار کے مطابق ایک خاص رفتار پر پہنچ کر اس چیز کی رفتار بڑھنا بند کر دیتی ہے جیسے کہ ریل گاڑی، موٹر گاڑی، سائیکل، اگر اسی موجودہ مستقل رفتار کو اور بڑھانا مقصور ہو تو پھر مزید قوت اور زور لگانا پڑتا ہے۔ یہ زائد یا فاضل طاقت گاڑی کی رفتار کو زیادہ کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور جب ایک خاص رفتار پر گاڑی پہنچ جاتی ہے تو اس کی رفتار پھر بڑھنا بند کر دیتی ہے۔ گاڑی ٹھہرانا مقصود ہو تو گاڑی پر لگائی جانے والی قوت کو کم کر دیا جاتا ہے تو رفتار گھٹتے گھٹتے ایک خاص رفتار پر آجاتی ہے۔ جس کے بعد رفتار گھٹنا بند کر دیتی ہے۔

۹) جب رفتار کم یا زیادہ ہو رہی ہوتی ہے تو اس کا بڑھنے یا گھٹنے کا ریٹ یا مقدار فاضل قوت پر منحصر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ وہ تبدیلی کتنے وقت میں آئی ہے۔

۱۰) رفتار کے بارے میں تمام باتوں کو ہم مندرجہ ذیل سائنسی اور حسابی طریقے سے پرکھ سکتے ہیں۔

ا) **<u>رفتار کی تعریف</u>** یہ ہے کہ ایک خاص وقت میں کتنا فاصلہ طے کیا جاتا ہے۔ عموماً بول چال میں رفتار میل فی گھنٹہ یا کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ناپی جاتی ہے یعنی ایک گھنٹہ میں کتنے میل یا کلومیٹر طے کئے جائیں گے۔ حساب کی زبان میں ایسے لکھیں گے۔

رفتار = فاصلہ ÷ وقت

ب) **<u>سرعت</u>**: جب رفتار بڑھ یا گھٹ رہی ہو تو اس گھٹنے بڑھنے یا رفتار کی تبدیلی ہونے کی مقدار یا ریٹ کو ہم سرعت کہتے ہیں اس لئے سرعت کا اندازہ ایسے لگایا جاتا ہے کہ کتنے وقت میں رفتار میں کتنی تبدیلی آئی ہے۔ چونکہ رفتار بہت جلد تبدیل ہوتی ہے اس لئے عموماً ہم وقت سیکنڈ میں گنتے ہیں اور چونکہ سیکنڈوں میں فاصلہ فٹ یا میٹر کی شکل میں ہی طے ہوتا ہے، بہ نسبت کلومیٹر یا میل کے ،اس لئے سرعت کو ہم عام طور پر اس طرح ناپتے ہیں کہ ایک سیکنڈ میں رفتار میں کتنے فٹ یا میٹر تبدیلی آئی۔

حساب کی شکل میں سرعت: وقتر فتار میں تبدیلی

رفتار میں تبدیلی: رفتار میں تبدیلی معلوم کرنے کے لئے ہمیں دو رفتاریں معلوم ہوتی ہیں۔ایک کو بنیادی رفتار کہتے ہیں جس سے رفتار بڑھ کر زیادہ ہوگئی اس زیادہ رفتار کو یا بدلی ہوئی رفتار کو ہم مستقل رفتار یا حتمی رفتار کہتے ہیں۔ان دونوں رفتاروں کی مقدار کا فرق ہمیں رفتار میں تبدیلی بتادے گا۔مثلاً اگر ایک گاڑی کی رفتار 20 میل فی گھنٹہ سے بڑھ کر 50 میل فی گھنٹہ ہوگئی تو رفتار میں 30 میل فی گھنٹہ کی تبدیلی آئی۔اور ہمیں یہ تبدیلی حتمی رفتار یعنی 50 میل فی گھنٹہ میں سے بنیادی رفتار یعنی 20 میل فی گھنٹہ منہا کرنے یا تفریق کرنے سے معلوم ہوئی۔اس لئے اس کو حساب کی شکل میں ایسے لکھیں گے۔

رفتار میں تبدیلی = حتمی رفتار - بنیادی رفتار

بنیادی رفتار کو ہم ب فٹ فی سیکنڈ اور حتمی رفتار کو ہم ح فٹ فی سیکنڈ لکھیں گے۔جتنے وقت میں یہ بنیادی تبدیلی آئی اس کو ہم ٹ سیکنڈ لکھیں گے۔

اس تبدیلی کا ریٹ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اکائی کا قاعدہ استعمال کرنا پڑے گا۔

ٹ سیکنڈ میں رفتار میں تبدیلی: حتمی رفتار - بنیادی رفتار

1 سیکنڈ میں رفتار میں تبدیلی: $\frac{\text{حتمی رفتار - بنیادی رفتار} \times 1}{\text{ٹ سیکنڈ}}$

اس لئے سرعت کا حسابی فارمولا یہ ہوا۔

سرعت : $\frac{\text{حتمی رفتار - بنیادی رفتار}}{\text{ٹ سیکنڈ}}$

$$س = \frac{ح - ب}{ٹ}$$

یا حتمی رفتار کا فارمولا یہ ہے۔

حتمی رفتار: بنیادی رفتار + سرعت × ٹ

ح : ب + س × ٹ

سرعت کے دوران طے کردہ فاصلہ معلوم کرنے کے لئے فارمولا یہ ہے۔

فاصلہ: بنیادی رفتار × ٹائم (وقت) + 1/2 سرعت × ٹائم **2**

= ب ٹ + 1/2 ٹ **2**

صرف ایک مثال سے ان کلیوں کا استعمال اور افادیت معلوم ہو جائے گی۔

ایک ریل گاڑی ریلوے سٹیشن سے چلنے کے 11 سیکنڈ کے اندر 30 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگی گاڑی کی رفتار بڑھنے کا ریٹ یعنی سرعت اوراس سرعت کے دوران طے کردہ فاصلہ معلوم کیجئے۔

بنیادی رفتار: صفر فٹ فی سیکنڈ (کیونکہ گاڑی کھڑی تھی)

حتمی رفتار: 30 میل فی گھنٹہ = $\frac{30 \times 1760 \times 3}{60 \times 60}$ = 44 فٹ فی سیکنڈ

وقت = 11 سیکنڈ

اس لئے سرعت = $\frac{\text{ح - ب}}{\text{ٹ}}$ = $\frac{\text{44 فٹ فی سیکنڈ-صفر فٹ فی سیکنڈ}}{\text{11 سیکنڈ}}$

= $\frac{\text{44 فٹ فی سیکنڈ}}{\text{11 سیکنڈ}}$ = 4 فٹ فی سیکنڈ فی سیکنڈ (سرعت کے جواب میں دو دفعہ فی سیکنڈ آتا ہے)

سرعت کے درمیان فاصلہ = ب ٹ + 1/2 س ٹ 2

= صفر فٹ فی سیکنڈ × 11 سیکنڈ + 1/2 × 4 فٹ فی سیکنڈ فی سیکنڈ × 11 سیکنڈ × 11 سیکنڈ

= 0 + 1/2 × 4 × 121

= 0 + 2 × 121

= 242 فٹ

یعنی ریل گاڑی نے 242 فٹ کا فاصلہ طے کرتے ہوئے اپنی رفتار صفر میل فی گھنٹہ سے 30 میل فی گھنٹہ بڑھا دی۔

زمین کی کشش یا کشش ثقل کے تحت حرکت کے کلیوں کی کشش یعنی کشش ثقل کے تحت بھی اشیاء اپنی قوت کے تحت حرکت کرتی ہیں۔صرف فرق یہ ہے کہ زمین کی کشش کی بنا پر سرعت 32 فٹ فی سیکنڈ فی سیکنڈ ہوتی ہے۔اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ زمین کی کشش مستقل ہے۔ زمین کی کشش ثقل کی سرعت اور عام قوت کی سرعت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے زمین کی سرعت کو 'ز' کے حرف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔اس لئے اب کلیے یوں لکھے جائیں گے۔ز = زمین

بنیادی رفتار = ب فٹ فی سیکنڈ

انتہائی رفتار = م فٹ فی سیکنڈ

سرعت 'ز' = 32 فٹ فی سیکنڈ فی سیکنڈ

فاصلہ ٹ سیکنڈ میں = ب ٹ + 1/2 ز ٹ **2**

م رفتار = ب + ز ٹ

کشش ثقل کے تحت حرکت کی چند مثالیں دی جاتی ہیں تاکہ ایسی حرکت واضح ہو جائے۔

مثال نمبر 1 مکان کی چھت سے ایک پتھر پھینکا گیا۔ جو دو سیکنڈ کے بعد زمین پر گرا مکان کی اونچائی بتایئے۔

فاصلہ = ب ٹ+1/2 ز ٹ2

=0 ×2+1/2×32×22

=0 +4×16

= 64 فٹ

مثال نمبر 2 ایک ہوائی جہاز نے جو 400 فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ بم گرایا گیا۔ بتایئے وہ کتنی دیر میں زمین پر گرے گا۔ اوراس کی رفتار کیا ہوگی؟

فاصلہ=ب ٹ+1/2 ز ٹ2

400فٹ=0×ٹ+1/2×32×ٹ2

400 =0+16ٹ2

400 =ٹ2

16

25 = ٹ2

/25 = ٹ

5 =ٹ

ٹ =5

یعنی 5 سیکنڈ کے بعد بم زمین پر پہنچ جائے گا۔

زمین پر لگتے وقت بم کی رفتار =ب+ز ٹ

=0+32×5

=160 فٹ فی سیکنڈ

=60×60×160 =214.5 میل فی گھنٹہ =214 میل فی گھنٹہ

3×1760

یہاں تک کے بیان اور مثالوں سے آپ کو علم ہو گیا ہوگا۔ کہ حرکت کے کلیوں کی مدد سے بڑی آسانی سے گرتی ہوئی چیزوں کی رفتار کا اندازہ لگالیا جا سکتا ہے۔ اب نقطہ واضح کرتا ہوں کہ یہ کلیہ صرف خلا میں گرتی ہوئی چیزوں کے لئے ہے۔ فضاء میں گرتی ہوئی چیزوں کے لئے ہوا کی مزاحمت کو بھی شامل کرنا پڑے گا۔ جس کی انتہائی رفتار میں فارمولے یا کلیئے سے حساب کردہ رفتار سے کم ہوگی۔ اس کلیئے کے استعمال سے مقصود چونکہ اصحاب فیل کے واقعہ کے ممکنات کو سائنسی طور پر پرکھنا ہے۔ نہ کہ صحیح رفتار کا پتہ کرنا۔

اس لئے کہ پرندوں کی صحیح بلندی معلوم نہیں۔اس لئے ان کلیوں کو ہوا کی مزاحمت کے بغیر ہی استعمال کیا جائے گا۔

بندوق کی گولی کی قوت ہلاکت:

گولی کی قوت ہلاکت عرصہ دراز سے بحث ومباحثے کا سبب بنی رہی ہے۔اوراس پر ماہرین نے مختلف آراء ظاہر کی ہیں یہ چونکہ جذباتی مسئلہ ہےاور تمام انسان دوست لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔اس لئے اس پر آج تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔گولی کے زخم لگانے کی قوت اوراس کا سائنسی حساب کافی مشکل ہے۔اور جوابات کافی حدتک غیر صحیح ہیں۔لیکن ایک چیز بالکل واضح ہے۔ کہ تمام انسان دوست اصحاب کے نزدیک کسی دشمن پر گولی چلانے کا اصل مقصد اس کو جنگ میں حصہ لینے کے ناقابل بنانا ہے۔اس مقصد کے حل کے لئے یا تو گولی دشمن کو جان سے مار ڈالے یا اتنا زخمی کردے۔کہ وہ اپنے جنگی کام کرنے کے قابل نہ رہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حملہ کرنے والے سپاہی کو اس حدتک زخمی کیا جائے۔کہ وہ حملہ نہ کرسکےاور دفاعی سپاہی کو زخمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدافعت کرنے کے قابل نہ رہے۔ان دونوں کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صرف 'معذور' کردیا جائے۔نہ کہ قتل کیا جائے۔

معذور بنانے کی ضرورت حملہ آوراور دفاعی سپاہی کے لئے مختلف ہوگی۔حملہ آور کے لئے حرکت اوراسلحہ کا استعمال ہے۔ اس لئے اس کو حملے سے روکنے کے لئے اتنی معذوری ضروری ہوگی۔جس سے وہ حرکت نہ کرسکے۔اوراپنا اسلحہ کا استعمال نہ کرسکے۔ اس کے برعکس دفاعی سپاہی زخمی ہونے اور حرکت نہ کرسکنے کے باوجود اپنا اسلحہ استعمال کرسکتا ہے۔اگر اس میں کامل قوت ارادی موجود ہوتو اس طرح معذور بنانے کیلئے وقت کا تعین بھی ضروری ہے۔یعنی ایک حملہ آور سپاہی کو 30 سیکنڈ کے اندر معذور بنانے اور 5 منٹ میں معذور بنانے میں واضح فرق ہے۔اس لئے عام حملہ کے لئے 30 سیکنڈ کا سٹینڈرڈ وقت استعمال کیا جاتا ہے۔

اس طرح یہ سوال کہ کونسا زخم معذوری کا باعث بنے گا،بھی حل طلب ہے۔جس کا جواب صرف ڈاکٹر حضرات ہی دے سکتے ہیں۔اس کے لئے اصولاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی جسم کو مختلف حصوں میں تقسیم کرلیا جاتا ہے۔اور پھر اس میں گولی لگنے کا زاویہ اس کا راستہ اوراثرات کا تعین کیا جاتا ہے۔یہ انتہائی مشکل کام ہے۔مگر کمپیوٹر کی مدد سے قدرے آسان ہوگیا ہے۔اس طرح ہر حصہ کے لئے معذوری پیدا کرنے والے زخم کا تعین کیا گیا ہے۔(ایسے ایک مطالعہ میں انسانی جسم کو 108 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے)اور اتفاقی چوٹ کا حساب لگایا جاسکتا ہے۔زخم لگانے کی قوت مندرجہ ذیل باتوں پر منحصر ہے۔

ا) جسم کے ساتھ لگتے وقت گولی کی حرکت کی وجہ سے قوت متحرکہ (Kinetic Energy)

ب) اس انرجی یا قوت کو نشانہ میں منتقل کرنے کے صلاحیت

ج) قوت کی منتقلی میں کتنی جگہ (Area) متاثر ہوتا ہے۔

د) قوت کی منتقلی کی رفتار (وقت)

ایسی قوت متحرکہ کو حاصل کرنے کے لئے کم وزن کی گولی اور بہت تیز رفتار استعمال کی جاتی ہے۔اس کا دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس سے گولی چلانے والے کو پچھلی طرف دھکہ کم لگتا ہے۔کیونکہ (Recoil Energy) کم ہوتی ہے۔علاوہ ازیں چھوٹی گولی ہوا میں باآسانی سفر کرسکتی ہے۔کیونکہ ہوا کی مزاحمت کم ہوتی ہے۔اوراس کے سفر کی سمت بھی کم متاثر ہوتی ہے۔اس

لئے ایسی گولیوں کی شکل میں لمبائی/وزن کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔

ایسی لمبی اور ہلکی گولی کے ہوائی سفر میں سمت پر کم سے کم اثر کے لئے گولی کو ایک خاص رفتار سے گھمایا جاتا ہے۔اس گھمانے سے اس کی سمت ٹھیک رہتی ہے۔ دوسرے ہر گولی ایک ہی جیسا برتاؤ کرتی ہے۔ فائر کرنے کے بعد گھمانے کی رفتار مختلف (Medium) واسطوں یا چیزوں میں مختلف ہونی چاہیے۔

اس طرح گولی بندوق سے نکلتے وقت اگر تھوڑی سی ٹیڑھی نکلے تو ہوا میں سے گزرتے وقت ہوا کے دباؤ کی وجہ سے اپنا راستہ بدل سکتی ہے۔اور اس کی رفتار میں بھی نمایاں کمی ہو جاتی ہے۔

گولی بدن میں سے گزرتے وقت کتنا بڑا سوراخ بنائے گی، اس کا جواب تجربات کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔تجربات کے دوران گولی کو (Gelatine) گلاٹین کے بلاکوں میں سے گزار کر دیکھا جاتا ہے۔کہ گولی کی قوت میں مختلف سائز کے بلاکوں میں گزرتے وقت کتنی کمی آ جاتی ہے۔ یہ بلاک انسانی جسم کے مختلف حصوں کے (Tissues) گوشت کی قوت کے برابر ہوتے ہیں۔ان حصوں میں 5/1000 سیکنڈ میں (0.0005) سیکنڈ یا آدھے ملی سیکنڈ) جو اثرات ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا) گوشت (Tissues) میں مستقل سوراخ ہو جاتا ہے یا کچھ حصہ میں۔

ب) گوشت میں اپنے (گولی) سامنے اور اس کے اردگرد ہر طرف گولی ایک دھماکے کی لہر (Shock wave) بھیجتی ہے ۔جس کا دباؤ (pressure) (1000 lb**2**) 1000 پونڈ فی مربع انچ ہوتا ہے۔

مثال: گولی کا حساب یوں سمجھ لیجئے کہ گولی کا وزن=150 گرین

جسم پر لگتے وقت رفتار=2500 فٹ فی سیکنڈ (قریباً 1710 میل فی گھنٹہ)

جسم سے باہر نکلتے وقت رفتار=1500 فٹ فی سیکنڈ (1000 میل فی گھنٹہ)

ران کے گوشت میں سے فاصلہ= 8 انچ

ران کے گوشت میں سے گزرنے کا وقت=0.00033 سیکنڈ

ران کے گوشت میں سے گزرتے وقت انرجی یا قوت کا زیان=1330 فٹ پاؤنڈ

اس قوت کا گوشت میں منتقل ہونا اس تھوڑے وقت میں اثر پیدا کرتا ہے کہ مستقل سوراخ کی نسبت 26 گنا بڑا راستہ گوشت میں سے بنتا ہے۔

Source

JANES ALL THE WORLD WEAPON SYSTEMS 1979 EDDITION

اصحاب الفیل کی ہلاکت کی سائنسی تفصیل

کنکروں کا تخمینی وزن:

آیئے اب اس واقعہ کو سائنس کی روشنی میں دیکھیں کہ آیا پرندوں کے کنکریاں گرانے سے ابرھہ کی فوج کے سپاہی ایسے ہی مرے ہیں جیسے کہ کوئی آدمی گولی لگنے سے مرجاتا ہے یا زخمی ہوتا ہے۔ کیونکہ مرنا یا زخمی ہونا اس پر منحصر ہے کہ گولی بدن کے کس حصہ میں لگتی ہے۔ بدن کے بعض حصوں میں چوٹ سے انسان فوراً مرجاتا ہے۔ جیسے کہ سر یا دل جبکہ ہاتھ یا پاؤں، بازو، ٹانگ، ران وغیرہ میں لگنے سے صرف زخمی۔

مرنے یا زخمی ہونے کا انحصار حفاظتی لباس پر ہوتا ہے، آیا کہ زرہ بکتر پہنا تھا یا نہیں اور جسم کے کسی حصہ پر پہنا تھا۔ اور کس کس نے پہنا تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ فوج کے ہر فرد نے زرہ بکتر نہیں پہنا ہوگا۔ بلکہ اکثریت نے نہیں پہنا ہوگا۔ اس لئے کہ حضرت عبدالمطلب نے ابرھہ سے بات چیت کر لی تھی۔ عربوں نے جو مزاحمت کرنی تھی وہ کر لی تھی۔ اور اب ابرھہ کا خانہ کعبہ کی طرف کوچ بغیر کسی مزاحمت کے تھا۔ کیونکہ قریش تو خانہ کعبہ کو اللہ کی حفاظت میں دیکر بیوی بچوں کو دور پہاڑوں پر لے گئے تھے۔

اس واقعہ کو اس سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے یہ فرض کیا گیا ہے کہ پتھروں یا کنکروں کی چوٹ لگانے کی طاقت بالکل اتنی ہی تھی۔ جتنی کہ ایک بندوق کی گولی میں ہوتی ہے۔ بندوق کی گولی کی مارنے کی صلاحیت و طاقت کے بارے میں گولی کی تفصیلات یہ ہیں جو کہ جینز ویپن سسٹم سے لی گئی ہیں۔

ا) مثالی گولی =فوجی بندوق کی گولی کا وزن =150 گرین (98.85 گرام)

چوٹ لگاتے وقت رفتار=2500 فٹ فی سیکنڈ

چوٹ لگا کر باہر نکلنے کی رفتار=1500 فٹ فی سیکنڈ

ان کے دوران فاصلے=8 انچ

چوٹ میں قوت کا استعمال=1330 فٹ پونڈ

وقت=0.0003 سیکنڈ

(امریکہ اس وقت 55 گرین کی گولی اور 3250 فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے ڈیزائین کر کے استعمال کر رہا ہے)

ب) وزن کے پیمانے

ایک گرین=0.659 گرام

ایک گرام=15 گرین

ایک ڈرام=1.772 گرام

ایک اونس=16 ڈرام=16×1.772=28.352 گرام

ایک پاؤنڈ=16اونس=700 گرین=8چھٹانک

اس حساب سے 150 گرین =10 گرام = 1.7چھٹانک

ج) عام طور پر پرندے 1000فٹ سے 2000فٹ تک اڑتے ہوئے ملتے ہیں۔ بحیثیت ایک پائلٹ کے میں وثوق سے یہ کہ سکتا ہوں۔ کہ شہروں کے اوپر عموماً پرندے جن میں چڑیاں، چیلیں، کوے اڑتے ملتے ہیں۔ان ہی بلندیوں پر ہوتے ہیں۔ جہاز اترنے کے وقت عموماً 1500فٹ زمین کے اوپر ہو کر لینڈنگ کے لئے آتے ہیں۔ جہاں پر اکثر یہ پرندے ملتے ہیں۔یہی پرندے زمین سے بھی اڑتے ہوئے نظر آ سکتے ہیں اس لئے آسان حساب لگانے کیے لئے 1600 فٹ بلندی فرض کی گئی۔

i) 1600فٹ بلندی سے گرائے گئے پتھر کو مندرجہ ذیل وقت اور رفتار ملے گی۔

فاصلہ=ب ٹ+1/2 ز ٹ2 فٹ

1600=0×ٹ+1/2×32×ٹ2

$\frac{1600}{16}$=ٹ**2**

100=ٹ2 اس لئے ٹ=10 سیکنڈ

اگر 10 سیکنڈ ٹائم پتھر گرنے کا وقت ہو تو پھر کنکر کو زمین پر پہنچ کر فوجیوں اور جانوروں کے لگتے وقت رفتار یوں ہوگی۔

م=ب+زٹ

م=0+32×10

= 320 فٹ فی سیکنڈ (225 میل فی گھنٹہ)

یعنی اکنکر آدمیوں کو 225 میل فی گھنٹہ لگے ہونگے۔

اگر گولی اور کنکر کی چوٹ لگانے کی قوت برابر ہو تو پھر اس کنکر کا وزن یہ ہوگا۔

اب ہم کنکر کی رفتار کی انفارمیشن کو استعمال کر کے کنکر کا وزن معلوم کر سکتے ہیں۔جس کی طاقت گولی کے وزن اور رفتار کے برابر ہو گی۔اس کے لئے یہ حساب کا فارمولہ بنے گا۔

(گ) گرین×320فٹ فی سیکنڈ = 150 گرین×2500فٹ فی سیکنڈ

گرین= $\frac{2500 \times 150}{320}$=1170 گرین

1170 گرین= $\frac{16 \times 1170}{3000}$=2.672 اونس

اگر ان کو چھٹانک میں تبدیل کر لیں تو

16اونس =8چھٹانک

2.67اونس= $\frac{8\times2.67}{18}$ =1.33چھٹانک

یہ وزن صرف اس صورت میں چاہیے جبکہ بندوق کی گولی اور کنکر کی قوت برابر ہو۔ ورنہ صرف زخمی کرنے کے لئے اس وزن کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اس سے کم وزن بھی کافی ہوگا۔ چونکہ یہ سب حساب خلاء کی بنیاد پر ہے اور ہوا کی مزاحمت کو بھی حساب میں لے آئیں تو اصل پتھروں کا وزن ہمارے حساب کردہ وزن سے ڈیڑھ گنا ہوگا یعنی تین یا چار چھٹانک۔

(ii) **اگر پرندے 400 فٹ پر تصور کئے جائیں** تو رفتار اور ٹائم کا حساب مندرجہ ذیل ہوگا۔

فاصلہ = ب ٹ+1/2 ز ٹ2

400=0×ٹ+1/2×32 ٹ2

$\frac{400}{16}$ = ٹ2

اس لئے ٹائم یہ ہوگا= 5 سیکنڈ

اور کنکر کی رفتار=32 × 5= 160 فٹ فی سیکنڈ (**109 میل فی گھنٹہ**)

اور کنکر کا وزن= $\frac{2500\times150}{160}$ =2340 گرین

2340 گرین= $\frac{2300\times16}{7000}$ =5.28 اونس

$\frac{5.28\times8}{16}$ =2.64 چھٹانک **قریباً اڑھائی چھٹانک**

چونکہ یہ سب حساب خلاء کی بنیاد پر ہے اور ہوا کی مزاحمت کو بھی حساب مین لے اائیں تو اصل پتھروں کا وزن ہمارے حساب کردہ وزن سے ڈیڑھ گنا ہوگا یعنی پانچ چھٹانک یا ایک پاؤ۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر غلیل سے نکلا ہوا پتھر یا مٹی کا ڈھیلا کسی کو لگ جائے تو کتنا زخمی کر سکتا ہے۔ تو پھر پتھر جو 109 میل سے 225 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہو۔ وہ اگر لگ جائے۔ چاہے اس کا وزن تھوڑا ہی ہو تو پھر کیا حشر ہوگا۔ اسی طرح کرکٹ میں فاسٹ باؤلر کے بال کی سپیڈ بھی سو میل تک پہنچ جاتی ہے۔

آپ کو اس چیز کا اندازہ کرانے کے لئے میں نے مختلف جہازوں کے پرندوں سے ٹکرانے اور ان سے ہونے والے نقصان کی صرف چند تصاویر شامل کی ہیں۔ یہ تصاویر فلائیٹ سیفٹی ڈائریکٹریٹ، ائیر ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد نے میری درخواست پر مہیا کی

تھیں۔انکے شکریہ کے ساتھ دی جارہی ہیں

ان کو دیکھتے ہوئے یاد رکھیں۔کہ یہ پرندے گوشت پوست کے بنے ہوئے تھے۔اور دھات کے بنے ہوئے ہوائی جہاز کے ساتھ ٹکرائے تھے۔اور اتنا بڑا نقصان کیا تھا۔ہمارے مسئلہ زیر بحث میں معاملہ الٹ ہے۔آدمی گوشت پوست کے ہیں اور پتھر سخت چیز ہیں۔ان تصاویر کے دیکھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اصحاب فیل کے قصے میں پرندوں کے گرائے ہوئے پتھر ایک انسان کو بخوبی قتل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

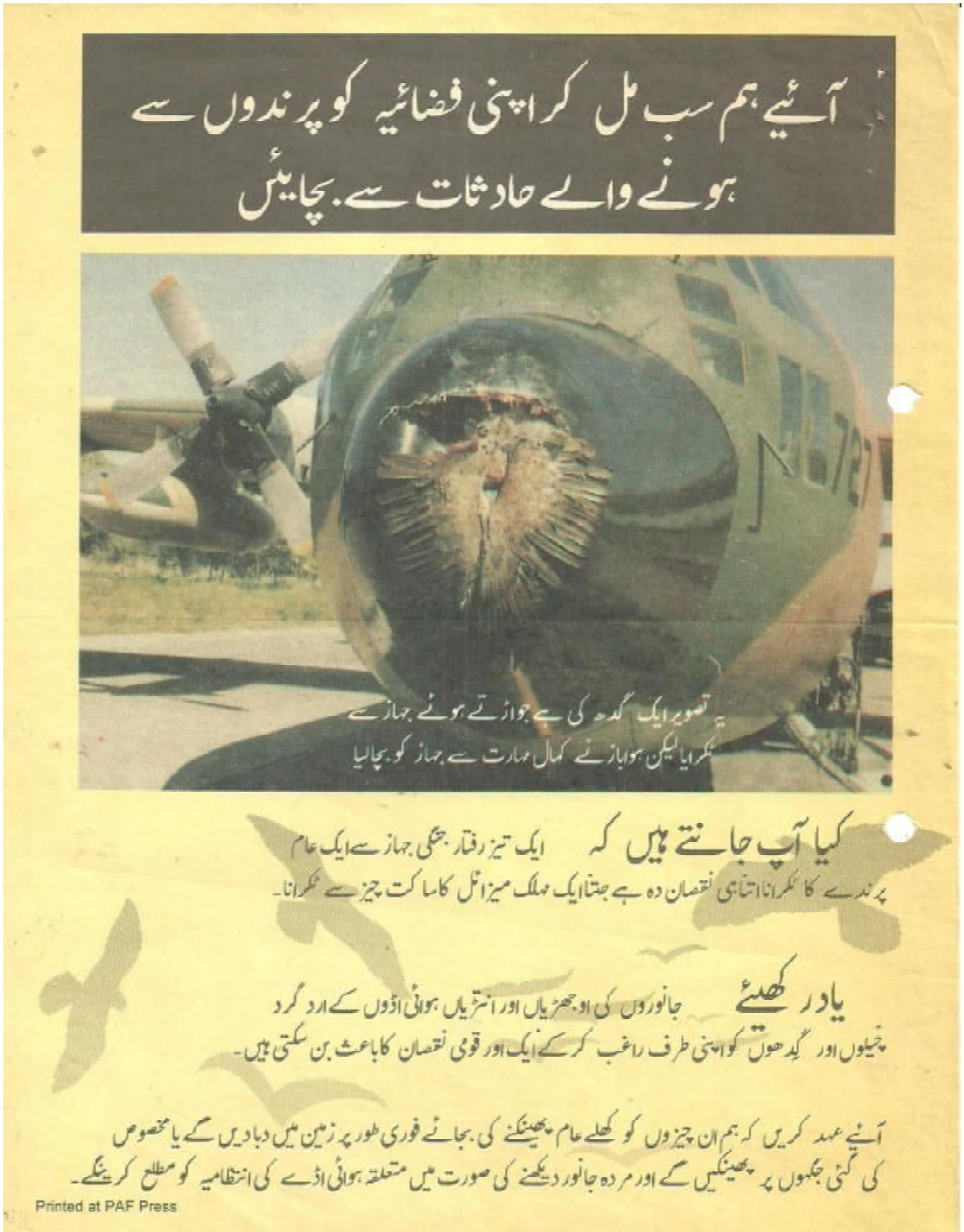

کنکروں میں جانوروں کو بھی زخمی کرنے کی صلاحیت

اگر ان پتھروں میں اتنی صلاحیت تھی کہ ایک انسان کو قتل یا سخت زخمی کر سکیں۔ تو اسی قوت سے اگر وہ جانوروں کو لگیں گے تو ان کو کم از کم زخمی ضرور کر دیں گے۔ جنگوں کے تجربات سے یہ عمومی علم سب کو ہے کہ جانور یا پتلی چادر کے ٹرک، بھی عام گولی سے نہیں

بچ سکتے۔گولی ان کے بھی پار چلی جاتی ہے۔تو حرکت کے کلیوں، جہازوں کی تصاویر،جنگوں کے تجربات ،دنیاوی تجربہ سب ہی اس ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پرندوں کے گرائے ہوئے کنکر گولی کی طرح کام کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔اور انہوں نے ابرھہ کے لشکر کو بھون کر رکھ دیا۔کہ وہ بھس کھائے ہوئے کی طرح بن گئے۔

کنکروں کے وزن بارے روایات؟

ہمارے حرکت کے کلیئے کے حساب کے مطابق کنکروں کا وزن قریباً تین چھٹا نک سے پانچ چھٹا نک بنتا ہے۔سائز اور وزن میں تعلق اس کنکر کی کثافت اضافی پر ہوتا ہے۔کہ وہ کس قسم کے مادہ سے بنا ہے۔اس کے ہر ذرے کا کیا وزن ہے۔اور اس کے ذرے ایک دوسرے کے ساتھ کتنی قریب قریب سے جڑے ہوئے ہیں۔مثلاً ریت کو لے لیں۔ریت کے ذرے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتے۔اس کے برعکس مٹی کے ذرے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔مگر تھوڑے سے دباؤ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ان کے مقابلے میں پتھر کو لے لیں۔ان کے ذرات نسبتاً زیادہ مضبوطی سے ملے ہوتے ہیں۔اور تھوڑے دباؤ سے نہیں ٹوٹتے۔ان کے لئے کاری ضرب چاہیے۔دھاتوں (لوہا،تانبہ وغیرہ) کو لے لیں۔ان کے ذرات بہت ہی مضبوطی سے ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔اس لئے ان کو توڑنا آسان نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے ایک ہی سائز یا جسامت کے پتھر یا گولی کا وزن مختلف ہوگا۔لوہے (دھات) کا سب سے زیادہ پتھر اس سے کم مٹی سب سے کم۔

چونکہ کلام پاک پتھر کہتا ہے اور تاریخ و روایات مٹر کے دانے کے برابر یا بکری کی مینگنی کے برابر کہتے ہیں۔اتنا وزن ان پرندوں کے پنجوں اور چونچ کی قوت گرفت کے اندر تھا۔مجھے چھوٹے پرندوں کی پنجے اور چونچ سے وزن اٹھانے کی صلاحت اور قوت بارے ڈیتا نہیں مل سکا مگر بڑے پرندوں کا ڈیٹا مل گیا ہے اس سے ہم چھوٹے پرندوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اتنا وقت اٹھا سکتے ہیں۔۔چند بڑے پرندوں کی قوت گرفت درج ذیل ہے۔

پالتو بالڈ ایگل bald eagle ،عموما(4) پاؤنڈ یا 1.81 کلو اٹھا کر 60 میٹر کی بلندی پر سیدھی پرواز میں لے جا سکتا ہے۔

ٹریننگ سے اس کی وزن اٹھانے کی قوت میں 36% اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ساؤتھ امریکہ کا جنگلی ہارپ ایگل harp eagle تیرہ پاؤنڈ یعنی 5.9 کلو کا شکار اٹھا کر لے جاتا دیکھا گیا ہے۔

اسی طرح جنگلی بالڈ ایگل 15 پاؤنڈ کو شکار اٹھا کر لے گیا۔

عموما جنگلی ایگل 2.5 کلو اٹھا لیتا ہے مگر اسے اٹھا کر زیادہ بلندی پر نہیں لے جاتا بلکہ زمین کے قریب ہی فلائی کر سکتا ہے۔

افریکا کا مچھلی پکڑنے والا ایگل african fisg eagle عموما 1-3 کلو کی مچھلی اٹھا سکتا ہے مگر اس سے زیادہ وزنی پکڑے تو پھر پانی کے اوپر ہی فلائی کر کے لے جاتا ہے۔

آپ نے چیل کو مرغیوں کے چوزے اٹھا کر لے جاتے دیکھا ہے۔اسی طرح لوگ باز سے بٹیروں کا شکار بھی کرتے ہیں۔

اس سب انفارمیشن سے ہم اس انتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ پرندوں نے قریبا ایک پاؤ وزن تک کے پتھر گرائے تھیچن سے آدمی اور

جانور زکمی اور ہلاک ہوئے تھے۔

پرندوں کی قسم کا اندازہ۔؟

۱۔ سورۃ فیل میں جن پرندوں کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے پتھر پھینکے تھے۔ وہ کون سے پرندے تھے؟ اس سوال کا جواب دینا انتہائی مشکل لگتا ہے۔ اس لئے کہ تمام عرب کی روایات میں کہیں بھی کسی خاص پرندے کا نام نہیں آیا ہے۔ یعنی پرندے پہچانے نہ جا سکے تھے۔ کہ اس قسم کے پرندے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی قسم بھی بیان نہیں کی گئی۔ کہ یہ فلاں پرندے سے ملتے جلتے پرندے تھے۔ ان کا سائز فلاں پرندوں کے برابر تھا۔ وغیرہ وغیرہ اگر اس قسم کا کوئی بھی بیان ملتا تو کم از کم اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ ان ان پرندوں میں سے ہوسکتا تھا۔ اور (Process of Elimination) سے بتدریج خارج یا رد کرنے کے عمل سے قریباً حل تلاش کیا جا سکتا کہ ان دو تین پرندوں میں سے ہو سکتے تھے۔ ایسے عمل میں ان ممکن پرندوں کی عادات کے مطالعہ سے اس سوال کے جواب کو حاصل کرنے میں مدد مل سکتی تھی۔ اب اگر اس سوال کا حل تلاش کرنا ہے تو دنیا کے تمام پرندوں کا عموماً مطالعہ اور نجد، حجاز، بحر احمر کے پرندوں کا خصوصاً مطالعہ ضروری ہوگا۔

۲۔ اس مطالعہ میں عرب روایات جو کہ ہم تک پہنچی ہیں اور کچھ مدد دے سکتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں ''جھنڈ کے جھنڈ پرندے، بحر احمر کی طرف سے آئے تھے اور اسی طرح کے پرندے نہ پہلے دیکھے گئے تھے اور نہ بعد میں۔'' یہ نجد کے پرندے تھے۔ نہ حجاز کے اور نہ تہامہ کے (یعنی حجاز اور بحر احمد کے درمیانی ساحلی علاقے کے)

ابن عباسؓ کہتے ہیں ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتے جیسے عکرمہ کا بیان ہے۔ ان کے سر شکاری پرندوں جیسے تھے۔ (چیل، گدھ، عقاب کی طرح کے جانور)

تقریباً سب راویوں کا بیان ہے کہ ''ہر پرندے کی چونچ میں ایک ایک کنکر تھا۔ اور پنجوں میں دو دو کنکر۔ بعض لوگوں کے پاس یہ کنکر ایک مدت تک محفوظ رہے''

ابونعیم نے نوفل بن ابی معاویہ کا بیان نقل کیا ہے ''میں نے وہ کنکر دیکھے ہیں جو اصحاب فیل پر پھینکے گئے تھے وہ مٹر کے دانے کے برابر سیاہی مائل سرخ تھے''

ابونعیم نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے ''کنکر چلغوزے کے برابر تھے''

ابن مردویہ کی روایت ہے ''بکری کی مینگنی کے برابر''

۳۔ ان روایات کی روشنی میں جو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

(ا) پرندے کی چونچ اور پنجے اتنے سائز کے تھے کہ وہ مٹر کے دانے کے برابر جسامت کے پتھر بآسانی اٹھا سکتے ہوں۔ (صرف سائز کو سامنے رکھ کر اس فیصلے پر بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ پرندے قریباً کوے کے سائز کے یا اس سے بڑے ہوں گے۔

(ب) پرندے کی چونچ اور پنجے میں وزن اٹھانے کی قوت ہونی چاہیے۔ اگرچہ وزن کا اندازہ نہیں دیا گیا، کسی بیان میں نہیں، مگر

حرکت کے کلیوں کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اگر اس پتھر کی قوت جو کہ عام بندوق کی گولی کے برابر تصور کی جائے تو اس پتھر کا وزن اندازاً تین سے پانچ چھٹانک ہونا چاہیے۔ اگر صرف زخمی کرنے والی قوت متحرکہ تصور کی جائے تو یہ وزن ڈیڑھ سے اڑھائی چھٹانک بھی ہوسکتا ہے۔ اتنا وزن تو چڑیا اور کوے اور اس سے بڑے پرندے بآسانی اٹھا کر لے جاسکتے ہیں۔

(ج) یہ پرندے عرب کے زمینی پرندے نہ تھے اگر یہ زمین پر رہنے والے ہوتے تو پہچان لئے جاتے۔

(د) یہ پرندے بحر احمر کے پرندے ہوسکتے تھے۔ اس لئے کہ بحری پرندوں کی پہچان زمین پر رہنے والوں کے لئے ان سے نا مانوس ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں تھی۔ اسی طرح بحری پرندے عموماً زمین کی طرف نہیں آتے۔ ان کا صرف ایک بار زمین پر آنا ممکن ہوسکتا ہے۔ اور اس وجہ سے نہ پہلے اور نہ بعد میں دیکھا جانا ان کے بحری پرندے ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ صرف قابل اعتراض بات یہی ہے جو رہ جاتی ہے کہ عرب جہازران قوم بھی تھی۔ اس لئے ساحل کی طرف سے اتنے بڑے جھنڈ کے جھنڈ پرندے آتے ہوئے دیکھ لئے جاتے۔ اور وہ عرب ان کو پہچان لیتے کہ کس قسم کے پرندے تھے۔ لیکن یہ اعتراض بآسانی رد کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مکہ کے ساتھ کے ساحل پر صرف جدہ ہی بندرگاہ ہے۔ اس لئے ان پرندوں کا بحر احمر کے ساحل کے کسی بھی ایسے حصہ سے آنے کا یقیناً امکان ہے۔ جہاں پر جہازران عرب نہ رہتے ہوں۔ مکہ سے قریب ترین ساحلی ہوائی راستہ (Crows Flight) سے قریباً 30 میل یا 50 کلومیٹر ہے۔ اتنا فاصلہ ان بحری پرندوں کے لئے طے کرنا ممکن ہے۔

(ر) یہ پرندے غیبی پرندے ہوسکتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا کئے گئے ہوں۔ صرف اس خاص مقصد کے لئے۔ اس لئے یہ خاص شکل وصورت اور جسامت کے ہوسکتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے نہ ہی اس واقعہ سے پہلے دیکھے گئے تھے اور نہ ہی بعد میں۔

۴۔ اس لئے پرندوں کی قسم کے بارے میں کسی حتمی نتیجے پر فی الحال پہنچنا مشکل ہے۔ پرندوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچنے پر ان کی ممکن قسم یا اقسام کا فیصلہ کیا جاسکے گا۔

۵۔ ان پرندوں نے کنکر کیوں اٹھائے؟ اور ابرھہ کے لشکر پر کیوں برسائے؟ ان پرندوں نے عادت کے خلاف کیوں عمل کیا؟ ایسی سب باتوں کا جواب ایک ہی ہے جو کہ ہر مذہب رکھنے والے انسان کے لئے قابل قبول بھی ہوسکتا ہے؟ (اور ہوسکتا ہے کہ کسی دن سائنسی علوم بھی اس درجہ تک پہنچ جائیں کہ جن سے یہ ثابت کیا جاسکے۔ کہ پرندوں میں بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ کسی خاص فریکونسی کے پیغام موصول کرسکتے ہیں۔ اور ان پیغامات اور ہدایات پر عمل کرسکتے ہیں) اور وہ معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت عادت کے خلاف عمل کا ظہور ہے۔

۶۔ پرندوں کی قسم اور خرق عادت عمل کے بارے میں تعین علم یا روایات کے باوجود اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ کہ ابرھہ کے لشکر کی تباہی کا موجب یہی پرندے تھے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں ہوا سے حملہ کرنے کا تصور تک ناپید تھا۔ لڑائی میں کسی لشکر کو شکست دینے کا ذریعہ صرف وہی ہتھیار تھے جو کہ انسان کی اپنی قوت کو استعمال کر کے چلائے تھے۔ اس لئے ان کا مار کرنے کا فاصلہ محدود تھا۔ اور ان سے سب عرب واقف تھے۔ منجنیق عربوں میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں استعمال میں آئی اور وہ بھی (Heavy

(Artillery کے طور پر بڑے پتھر پھینکنے کا ذریعہ تھی۔ اور اسی کام کے لئے ڈیزائن کی گئی تھی۔ اسی طرح پہاڑی دروں میں بھی اوپر سے بڑے بڑے پتھر پھینکنے کا رواج تھا۔ جن کا مقصد دشمن کی یقینی موت اور درے کا بند کرنا تھا۔ اور سب سے بڑا اثر یہ تھا۔ کہ اس ہتھیار کے خلاف دشمن کے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ جس سے وہ جوابی کاروائی کرنے کے لئے زمین سے پہاڑ کی چوٹی کی طرف چیزیں پھینک سکتا۔ اس لئے اس ہتھیار کے خلاف اپنی مجبوری ومعذوری ہی اسے فوراً پسپائی پر آمادہ کر دیتی تھی۔

پرندوں کی تفصیل جو روایات میں آتی ہے کہ انہوں نے چونچوں اور پنجوں میں پتھر اٹھا رکھے تھے۔ اس سے پرندوں کی پہچان میں مندرجہ ذیل اطلاح معاون ہوسکتی ہے۔

پرندوں کو پہچاننے کے لئے ان کو پہلے دو اقسام میں تقسیم کریں:

i) **<u>بحری یا پانی کے پرندے:</u>**

ان پرندوں کے پنجے نہیں ہوتے نہ ہی یہ پنجوں میں کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں۔ کیونکہ پانی میں تیرے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پنجوں میں انگلیوں کے درمیان گوشت کی جلد رکھی ہوتی ہے۔ اس طرح پورا پنجہ ایک چپو کی طرح ہوتا ہے۔ چپٹا Flat تا کہ پرندے اس کے ذریعے پانی پر تیر سکیں۔ یہ پرندے عموماً مچھلیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔

ii) **<u>زمینی پرندے:</u>** زمینی پرندے چونکہ درختوں پر رہتے ہیں اس لئے قدرت نے ان کو درختوں کی ٹہنیوں پر بیٹھنے کے لئے انگلیوں کی شکل میں پنجے دیئے ہیں۔ جس کے آخر میں ناخن ہوتے ہیں۔ یہ ٹہنیوں پر اس طرح اچھی طرح پکڑ کر بیٹھ سکتے ہیں۔ دوسرے ان کو خوراک کے لئے زمین کے کیڑے مکوڑے چھوٹے جانور، جیسے چوہے، سانپ، گرگٹ، چوزے، مردار وغیرہ کھانے ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی ان کو پکڑنے کے لئے اور پکڑ کر اڑنے کے لئے Holding Power چاہیے ہوتی ہے۔ جس کے لئے انگلیوں کی شکل کے پنجے ضروری ہیں۔ زمین کے پرندے بھی دو اقسام میں ہوتے ہیں۔

ا) **<u>دانا دنکا کھانے والے:</u>** یہ چھوٹے پرندے اناج یا نباتاتی غذا پر گزارا کرتے ہیں پھل فروٹ، غلہ، کیڑے مکوڑے، چیونٹی وغیرہ کھاتے ہیں۔ یہ چھوٹے سائز کے ہوتے ہیں

ب) **<u>گوشت کھانے والے پرندے:</u>** شکاری پرندے یا مردار صاف کرنے والے پرندے (Scavengers) گوشت کھاتے ہیں۔ شکاری پرندے چھوٹے پرندوں کا خود شکار کر کے کھاتے ہیں۔ جبکہ چیل، گدھ وغیرہ مردار کھانے والے پرندے ہیں خود شکار بھی کرتے ہیں۔ ان پرندوں کی وزن اٹھانے کی قوت بہت ہوتی ہے۔ یہ دو کلو سے زیادہ گوشت اٹھا اور کھا سکتے ہیں۔

ج) انٹرنیٹ سے لی گئی چند معلومات جو کہ شکاری پرندوں کے بارے میں ہیں پہلے تفصیل سے دی جا چکی ہیں مختصراً یہ ہیں۔:

(i Bald Eagle

یہ چار پونڈ یا 1.81 کلو وزن اٹھا سکتا ہے۔ 1987ء میں ایک ایگل 15 پونڈ اٹھا کر لے جاتا دیکھا گیا تھا۔

(ii Harp Eagle

جنوبی امریکہ میں ایک ایگل 13 پونڈ یا 5.9 کلو اٹھا کر لے گیا ہے۔

iii) چیل: 0.55 پونڈ یا 0.25 کلو وزن اٹھا لیتی ہے

iv) African Fish Eagle عموماً 1 کلوگرام کی مچھلی اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اگر مچھلی 2.5 کلو سے زیادہ وزنی ہو۔ تو یہ پانی کے ساتھ تھوڑی بلندی پر اڑتے ہوئے ساحل پر لے جا کر کھاتا ہے۔ زیادہ وزنی مچھلیوں میں 3.7 کلو کی مچھلی بھی بعض دفعہ لے جاتا ہے۔

۷۔ پرندوں کا کنکر پھینکنا بھی ایسا ہتھیار تھا۔ جس کے خلاف ابرھہ کے لشکر کے پاس کوئی ایسا ہتھیار نہ تھا۔ جو کارگر ہوتا۔ اس لئے اس کی بھی فوراً پسپائی قدرتی امر تھا۔

اس طرح چھوٹے پتھر اور زیادہ رفتار کے ساتھ ہلاکت کے قابل ہتھیار بنانے کا تصور اگر موجود تھا تو صرف گوپھن کی شکل میں تھا۔ اور جس کو استعمال کر کے حضرت داؤدؑ نے جالوت کو مارا تھا۔ مگر گوپھن کے استعمال میں چونکہ مہارت (Accuracy) اور (Consistancy) لانا مشکل ہوتا ہے اس لئے یہ صرف پرندوں کو فصلوں سے اڑانے کے لئے ہی استعمال ہو رہی ہے۔ اور بطور ہتھیار اس کے استعمال کا ذکر صرف حضرت داؤدؑ کے قصے میں ہی آیا ہے۔ جو کہ اس وقت بھی حیرت کا باعث تھا۔

۸۔ حضرت داؤدؑ نے بھی پتھر کی رفتار بڑھانے کے لئے جسمانی قوت کو ہی استعمال کیا تھا۔ انہیں کوئی اور ذریعہ معلوم نہیں تھا۔ کشش ثقل یا زمین کی کشش کے تحت رفتار کا بڑھنا اگرچہ معلوم تھا مگر اس قوت کو استعمال کرنے کے لئے پہاڑوں سے دشمن پر پتھر لگانا پریکٹس ہوتا رہا ہے۔ لیکن پرندوں کا پتھروں کو بطور ہتھیار استعمال کرنا کبھی سنا نہیں گیا تھا۔

۹۔ بغیر حملہ کئے کسی لشکر کے واپس چلے جانے کی دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً طوفان، بادوباراں، بیماری کا پھیل جانا، کسی سردار لشکر کا بیمار ہونا یا مر جانا وغیرہ وغیرہ بدشگونی، نفسیاتی مجبوری یہ سب وجوہات تاریخ میں مختلف مواقع پر پیش آ چکی ہیں۔ اور ان کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے۔ ابرھہ کے لشکر کی تباہی کا سبب اگر ان سب باتوں میں سے کوئی ہوتا تو یقیناً اس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا۔ اس کے برعکس اس کے لشکر کی تباہی کی بنیادی وجہ پرندوں کو بتایا گیا ہے۔ اور یہی اس واقعہ کی صداقت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کہ ایسی بات بھی ہو چکی ہے۔ جو کہ نارمل حالات میں نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ لوگوں نے اس واقعہ کا بحالت ہوش وحواس مشاہدہ کیا بلکہ یہ عرب میں ایسا جانا پہچانا واقعہ تھا کہ اس نے ان کے لئے ایک کیلنڈر کی بنیاد رکھ دی۔ یعنی اس واقعہ کی نسبت سے وقت کا شمار ہونے لگا، جسے عام الفیل یعنی ہاتھیوں والے سال کا نام دیا گیا۔

ابراھہ کی فوج کس بیماری کی وجہ تباہ ہوئی تھی:؟

روایات:۔تاریخی روایات میں ابرھہ کی فوج پر کنکریوں کی وجہ سے جو بیماری پیدا ہوگئی تھی ان کا مختصر بیان یہ ہے۔

(ا) محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا اور بلاد عرب میں پہلی دفعہ دیکھا گیا تھا۔

(ب) ابن عباس کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی اور کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا۔

(ج) ابن عباس کی دوسری روایت ہے کہ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں بالکل نکل آتی تھیں۔خود ابرھہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا تھا۔اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا تھا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔

(د) عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اس وقت ہلاک نہیں ہو گے تھے، بلکہ کچھ تو وہیں ہلاک ہو گئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے بھر گرتے گئے۔ابرھہ بھی بلاد خشعم پہنچ کر مرا۔

(ر) عبداللہ بن الیز بصری اپنے اشعار میں کہتا ہے۔ساٹھ ہزار تھے جو اپنی سرزمین کی طرف واپس نہ جا سکے،اور نہ ہی واپس ہونے کے بعد ان کا بیمار (ابرھہ) زندہ رہا۔

ان تمام روایات کے سامنے رکھنے سے چند حقائق واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں جو یہ ہیں۔

(ا) کنکر لگنے کے بعد جو زخمی ہو گئے تھے ان کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی تھی۔

(ب) تمام زخمی سپاہی موقع پر ہی ہلاک نہیں ہو گئے تھے بلکہ واپسی کے دوران زخموں کی تاب نہ لا کر مر گئے تھے۔

(ج) ان کے زخمی ہونے اور مرنے کے درمیان وقفہ تھا۔

(د) ابرھہ خود بھی واپسی پر ہی مرا۔آیئے دیکھیں کہ آج کل کے میڈیکل علم کے مطابق کون سی بیماری لاحق ہو سکتی تھی۔جس کی علامات (SYMPATOMS) ان روایات میں دی ہوئی ہیں۔روایات میں اگرچہ قصے کہانی،تعصب،اور مبالغہ (مرچ مسالہ) شامل ہوتا ہے۔مگر ان میں سچ کی آمیزش ضرور ہوتی ہے۔جس کو ڈھونڈنا ہی محقق کا اصل کام ہوتا ہے۔اس لئے ان روایات کے مطابق جو بیماریاں ابرھہ کی فوج کو لاحق ہو سکتی تھیں وہ یہ تھیں۔

(الف) کھجلی اور اس سے ایسی بیماری جس سے جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنے لگتا تھا۔

(ب) چیچک

(ج) کوئی ایسی بیماری جس میں جلد پھٹتی ہے۔گوشت جھڑنے لگتا ہے۔یا گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتے ہیں اور ہڈیاں تک نظر آتی ہیں۔جہاں سے کوئی گوشت کا ٹکڑا جھڑتا ہے۔وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا ہے۔

ان بیماریوں کا مطالعہ کسی ڈاکٹر کی مدد کے بغیر میرے لئے ممکن نہ تھا،اس لئے میں نے اپنے دوست،گروپ کیپٹن (بعد میں ائر کموڈور) ڈاکٹر منیر احمد طور، جو کہ بطور فلائٹ سرجن اور انسٹرکٹر،ائر میڈیکل انسٹیٹیوٹ PakistanAero medical

Institute متعین تھے، کو اس تحقیق میں شامل کرلیا۔

مندرجہ بالا تمام روایات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور ان تمام بیماریوں کا مختصراً احوال بیان کریں گے تا کہ ان سے معلوم ہو سکے کہ کون سی ایک یا ایک سے زیادہ بیماریاں لگ گئی تھیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ ان تمام روایات میں وقت کا تعین نہیں کیا گیا یعنی یہ بیان کہ ''جس پر یہ لگنے کے فوراً بعد یا کتنی دیر بعد جسم گلنا شروع ہو جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے بیانات بھی وقت کو نہیں بتاتے۔ صرف ابرھہ ہی کی حالت کو لیا جائے تو وہ بھی اسی بیماری میں مبتلا ہوا جس میں دوسرے بھی مبتلا ہوئے تھے۔ مگر اس کے مرنے کا وقت اس کی واپسی کے بعد کا بیان ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری اسے چند دن لاحق رہی تھی۔ اور اس کی فوری ہلاکت کا باعث نہیں بنی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیماری زخمی ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اور چند دن رہنے کے بعد ہلاکت کا سبب بنتی تھی۔

دوسری بات یاد رکھنے والی یہ ہے کہ اس زمانے میں دنیا میں عموماً اور جزیرہ نمائے عرب میں خصوصاً بیماریوں کے بارے معلومات بہت کم تھیں۔ علاج معالجے کی سہولتیں بے حد محدود تھیں۔ (یہی حال آج کل بھی ہے کہ پاکستان میں یا عرب ممالک کے تمام باشندوں کے صحت، بیماریوں، ان کے علاج کے بارے میں میڈیا کی بہتات کے باوجود علم بہت کم ہے) اس لئے جو بھی بیماری ابرھہ کی فوج کو لاحق ہوئی اس سے صحت یابی بہت کم ہوئی ہوگی اور اموات کا تناسب بہت زیادہ ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ بیماری کے ساتھ ساتھ اللہ کے عذاب کا خوف بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس لئے بھی بیماری سے صحت یابی مشکل تر ہو گئی ہو گی۔

بیماریوں کی شارٹ لسٹ Short Listing کے بعد اور روایات کو شامل کر کے صرف دو بیماریاں قابل مطالعہ رہ جاتی ہیں۔ وہ ہیں گیس گینگرین Gas Gangerene یا چیچک Small Pox جن کا جائزہ اگلے صفحات میں لیا جائے گا اور وہ کون سی بیماری تھی۔

چیچک (Small Pox)

چیچک کی بیماری کے جراثیم جب کسی انسان پر عمل شروع کرتے ہیں یا ان کا حملہ ہوتا ہے تو 3 دن کم سے کم وقت ہے جس کے بعد چیچک کی بیماری جڑ پکڑ سکتی ہے۔ بیماری کے ظاہر ہونے تک 7 دن سے 17 دن تک عموماً (10-12 دن بھی) لگتا ہے۔ یعنی اس کے بعد بدن پر چھالے (Rash) ظاہر ہونے تک 2 سے 4 دن اور لگتے ہیں یعنی 9 سے 21 دن کے بعد بدن پر بیماری کا اظہار ہوتا ہے۔

اس بیماری میں فوراً علامات ظاہر نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ جراثیم کے لئے 9 سے 21 دن کا Incobation Period عمل کا دورانیہ لگتا ہے۔ اور اس کے بعد جسم پر چھالے (Rashes) ظاہر ہوتے ہیں۔ جن سے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ مگر جلد جھڑتی نہیں ہے۔ نہ ہی پیپ ظاہر ہوتی ہے۔ نہ ہی زخم پھٹتا ہے۔ یا گوشت جھڑتا ہے۔ اس لئے ابرھہ کی فوج کو یہ بیماری یقیناً لاحق نہیں ہوئی تھی۔

Ref: CONTROL OF COMMUNICABLE DISEASES IN MAN BY ABRAM'S RENESEN 1975, AMERICAN PUBLIC HEALTH ASSOCIATION: WASHINGTON.

10 GAS GANGRENE گیس گنگرین

گیس گنگرین پٹھوں میں جراثیم کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ جراثیم میڈیکل کی زبان میں Anaerabic bacteria of Clostridium Genus کہلاتے ہیں۔ یہ بیماری جنگی بیماریوں میں مہلک ترین ہے جو کہ بہت ہی تیزی سے بڑھتی بھی ہے۔ یہ جراثیم جنگی زخمیوں میں سے 50 فی صد میں پائے جا سکتے ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ بڑھ کر گیس گنگرین کی شکل اختیار کر لے۔

اس قسم کے جراثیم عام طور پر مٹی یا آدمیوں اور نچلے جانوروں کی آنتوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جب کسی زخم پر اثر کرتے ہیں تو پہلے پٹھوں کی شکر میں تیزاب اور گیس پیدا کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ پٹھوں کی پروٹین میں حل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ان حل پذیر گندگی کو پیدا کرتے ہیں جو پٹھوں کے ریشوں (Tissues) میں حل ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح بتدریج پٹھوں (Muscles) کے تمام ریشوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

گیس گنگرین عموماً رانوں یا چوتڑ کے پٹھوں پر خطرناک انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ (Infection) یا بیماری عموماً تمام عضو میں سرایت کر جاتی ہے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ اس عضو کو خون مہیا کرنے والی بڑی نالی کے ساتھ چوٹ لگی ہو۔ اس بیماری کا بنیادی اور خطرناک پہلو بھی خون مہیا کرنے والی بڑی نالی کو نقصان پہنچانے کا ہے۔

بیماری یا Infection پٹھوں میں اور اوپر نیچے پھیلتی ہے۔ اور اوپر کی جلد پھولنے لگتی ہے۔ کیونکہ پٹھوں میں پیدا شدہ گیس اس کو نیچے دباتی ہے۔ حتیٰ کہ سفید پیپ جیسے دانے ابھرنے لگتے ہیں۔ اس وقت تک زخم عام طور پر خشک ہوتا ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد گیس کے دباؤ کی وجہ سے پیپ کناروں سے بہنے لگتی ہے اور جہاں جہاں لگتا ہے اس میں بھی بیماری پھیلا دیتا ہے۔ بعد میں گیس کی وجہ سے گوشت کے لوتھڑے بھی نکلنے لگتے ہیں جو کہ پٹھوں کی ٹوٹ پھوٹ سے ہوتا ہیا ور بو بھی آنے لگتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ گردھوں میں تکلیف پیدا ہو جاتی ہے جس سے پیشاب میں خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔

یہ بیماری بعض جغرافیائی خطوں میں عام پائی جاتی ہے جن میں Middle East نمایاں ہیں۔ جہاں پر یہ جراثیم Cl Oedomations infection پیدا کرتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر بیماری کے ظاہری اثرات قدرے مختلف ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر زخموں کا پھولنا اور پیپ کا نکلنا زیادہ ہوتا ہے مگر گیس اور بو کم ہوتی ہے۔ بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں گیس گنگرین ہونے کے بہت زیادہ مواقع ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

i) جہاں پٹھوں میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہو جیسے کہ بڑی ہڈیوں کے ٹوٹنے سے Compound Fracture

ii) جہاں زخم کو خون کی بڑی نالی کے راستے میں رکاوٹ پڑ گئی ہو۔ یا زخم پر لمبے عرصہ تک پٹی (Torniquet) رکھ کر پٹی بندھی رہی ہو۔

iii) جہاں پر زخم میں مٹی اور گندگی بھر گئی ہو یا زخم کے اندر گندے کپڑے یا کوئی اور گندی چیز چلی گئی ہو۔

iv) جہاں پر آپریشن میں دیر ہوگئی ہو۔ چاہے ڈاکٹر کے پاس لے جانے میں دقت کی وجہ سے یا پھر خوف (Shock) کی وجہ سے۔

اس بیماری کے لاحق ہوتے ہی بڑی تیزی سے حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ چند ہی گھنٹوں میں زخمی پریشان حال ہو جاتا ہے۔ پھر موت کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مارفیا بھی اس پر اثر نہیں کرتا۔ نبض تیز ہو جاتی ہے۔ بلڈ پریشر گر جاتا ہے۔ خون دینے سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہے کتنی مقدار میں دیا جائے۔ ایسی حالت میں اگر آپریشن کیا جائے تب ہی مریض بچ سکتا ہے۔ ورنہ وہ چند گھنٹوں میں مر جاتا ہے۔

پچھلی دونوں بڑی جنگوں کے تجربات کی روشنی میں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ جب تک فوراً علاج شروع نہ کیا جائے تو یہ بیماری لاحق ہونے کے چانس بہت ہوتے ہیں۔ علاج کی صورت میں گیس گنگرین ایک فی صد سے بھی کم لاحق ہوگی۔ اور اس میں بھی صرف 10 فی صد مریض مریں گے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے ابتدائی دنوں میں جبکہ علاج کی سہولت کم تھی۔ 5 فی صد زخمی اس بیماری میں گرفتار ہوئے اور ان میں سے 50 فی صد سے زیادہ مر گئے تھے۔

10 تجزیہ Analysis

اوپر دی گئی گیس گینگرین، چیچک کی بیماریوں کے متعلق دی گئی معلومات اور اصحاب الفیل کے واقعہ کی روایات کا مقابلہ کریں تو فوراً یہ بات سامنے آجاتی ہے اور ہم صرف ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ابرھہ کی فوج کے سپاہیوں کو گیس گینگرین کی ہی بیماری لاحق ہوئی ہوگی۔ چیچک کی بیماری کو اس لئے رد کر دیا گیا ہے کہ اس بیماری میں صرف پھوڑے نکلتے ہیں گوشت نہیں جھڑتا۔ گیس گینگرین چونکہ عموماً جنگ کے زخمیوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔

جنگ میں ہی مٹی اور دھول، گندگی، کپڑوں کے زخموں کے اندر میں داخل ہو جانے کے مواقع بہت ہوتے ہیں۔ اس طرح گندے کپڑوں سے زخموں کو باندھنے کے مواقع بھی جنگی حالات میں ہوتے ہیں۔ اور زخم خراب ہونے کا چانس بھی لڑائی کے دوران زیادہ ممکن ہے۔ بلکہ اگر یہ کہہ لیں کہ زخم لگنے اور زخم خراب ہونے کے مواقع بھی صرف حالت جنگ ہو سکتے ہیں کیونکہ وہاں علاج معالجہ کی فوری سہولت ممکن نہیں ہوتی جب تک زخمیوں کو جنگ کے دوران ہی ہسپتال نہ پہنچایا جائے جو کہ میدان جنگ سے دور ہوں گے۔ خاص طور پر آج سے پندرہ سو سال پہلے کے عرب کی حالت میں جہاں اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا، سرجری یا آپریشن ان دنوں تھا ہی نہیں۔ حکیموں کے پاس جراثیموں سے بچنے کی دوائیاں یعنی Antiseptic یا Antibiotic کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ جراثیم یا ان کا توڑ ابھی تک دریافت ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے پہلی جنگ عظیم کے مقابلے میں گیس گینگرین سے اموات کا تناسب 50 فیصد کی بجائے اگر 100 فیصد بھی کہہ لیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اگر اس بھگدڑ کا بھی تصور کر لیں جس میں ابرھہ کی فوج مکہ کے قریب محسر وادی mohassir Valley میں گرفتار ہوئی ہوگی۔ تو اس Stampede میں جانوروں اور انسانوں نے دوسرے انسانوں کو کتنا زخمی کیا ہوگا، اس کا اندازہ ہماری اپنی زندگی میں دنیا میں مختلف بھگدڑوں میں جو لوگ مارے جاتے ہیں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کسی سینما، کلب، بلڈنگ، دفتر یا

فیکٹری میں آگ لگے جائے اور نکلنا کے راتے تنگ اور چند ہوں تو لوگ باہر نکلنے کی کوشش میں کمزور لوگوں کے دھکے دے کر اور گرا کران کے اوپر سے گزرتے ہیں تو ان کو مار ڈالتے ہیں۔ شیطان کو کنکریاں مارتے ہر سال بہت حاجی کچلے جانے سے مر جاتے تھے ۔ یہ سلسلہ تب رکا ہے جب مختلف منزلوں پر مشتمل سڑکیں تعمیر نہیں ہو گئیں۔

ویسے بھی ابرھہ کی فوج مکہ سے واپس بھاگتے ہوئے (Retreat) جا رہے تھے۔ اس لئے کہیں رک کر علاج کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جو بھی میڈیکل کی سہولت فوج کے ساتھ ہوں گی وہ بھی تباہ ہو گئی ہوں گی کیونکہ حکیموں جراحوں وغیرہ نے بھی تو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا تھا۔ پھر دشمن ملک میں ہونے کی وجہ سے عربوں سے جو علاج مہیا ہو سکتا تھا، اس کا ملنا بھی نا ممکن بن گیا ہوگا۔ اس پر اللہ کا خوف، اس کے عذاب کا ڈر۔ دشمن کے پیچھا کرنے کا اندیشہ، موت کا ڈر علیحدہ ہوگا۔ جو کہ بیماری سے شفا پانے میں اور بھی مشکلیں پیدا کر دیتا ہوگا۔

اس لئے آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ روایات میں جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ ہو بہو گیس گینگرین کی بیماری پر فٹ Fit بیٹھتی ہیں۔ اور موجودہ زمانوں کی جنگوں کی طرح ابرھہ کی فوج کو بھی یہی بیماری میدان جنگ میں لگی جو اس فوج کی تباہی کا باعث بنی۔ خصوصاً پیادہ فوج کی تباہی، جو کہ پرندوں کے پتھروں سے زخمی ہونے کے علاوہ اپنی ہی فوج کے ہاتھوں، گھوڑوں، رسد کے جانوروں تلے آ کر زخمی ہوئے ہوں گے۔ پیادہ فوج ہی عموماً کسی بھی فوج کا بڑا حصہ ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے ہی زمین پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے فوج کے بڑے حصے کی تباہی دوسرے عوامل کے علاوہ گیس گینگرین کے ذریعے میں ہوئی۔ سوار دستے جو کہ پیادہ فوج کی مدد کے لئے ہوتے ہیں وہ بھاگنے میں بھی پیادہ فوج کو مرنے کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ سوار دستوں کی پیدا کردہ بھگدڑ جس میں ابرھہ کی فوج گرفتار ہوئی ہوگی اور خوف (Shock) کے اثرات نے بیماری میں اضافہ کر دیا ہوگا۔

اس لئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ روایات میں جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ گیس گنگرین کی تھیں۔ اور یہ بیماری ہی ابرھہ کی فوج کی اصل بربادی کا باعث بنی ہوگی۔

ابراھہ کی فوج کی تباہی میں نفسیاتی پہلو کا حصہ

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم کلام پاک کے تاریخی واقعات کو صرف مذہبی لحاظ سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہر واقعے کے پیچھے ان گنت سیاسی، معاشی، مالی، معاشرتی، نفسیاتی، تہذیبی، کلچر کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور ان سے سیکھنے والے سبق بھی اتنے ہی متنوع ہوتے ہیں۔ میں نے ہاتھی والوں کے واقع کو زیادہ وسیع نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں ہر صاحب علم کو اپنے علم اور تجربے سے اضافہ کرنا چاہئے۔

ابرھہ کی فوج کی تباہی میں تمام ممکنہ عناصر جو سکتے تھے یہ ہیں۔

مکمل فوجی شکست

شکست اور امن معاہدہ

لڑائی کے بغیر گفت وشنید سے امن معاہدہ

فطرتی عناصر جیسے موسم، زلزلہ کی وجہ سے واپسی جیسے غزوہ خندق میں کفار مکہ کے ساتھ آندھی کی وجہ سے ہوا

مگر ان میں سے کوئی بھی ایک وجہ نہ تھی۔ بلکہ عذاب الٰہی تھا جس نے اسے واپسی پر مجبور کیا۔

ابرھہ کی فوج کی تباہی کے اسباب جانتے یا بیان کرتے وقت، نفسیاتی پہلو کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا رہا ہے۔ جبکہ میرا خیال ہے کہ اس نفسیاتی پہلو نے زیادہ کردار ادا کیا تھا۔ اس لئے واقعہ فیل کو اس پہلو سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پورا نظارہ از سر نو تعمیر کیا جائے تا کہ ہمیں صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ اس وقت جو نفسیاتی فضا قائم تھی، اس فضا میں پرندوں کے اچانک ظاہر ہونے، کنکروں کے مارنے سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اثرات کیا ہوں گے۔ اور ان نفسیاتی اثرات کے تحت اس فوج کا کیا حال ہوگا۔

ان کو آج کل سمجھنا ہمارے لئے بہ نسبت پہلے زمانے کے لوگوں کے زیادہ آسان ہے۔ 1965، 1971 کی انڈیا پاکستان کی جنگوں میں ہوائی حملوں کی وارننگ کے لئے Hooter الارم بجنے سے لوگوں کی کیا حالت ہو جایا کرتی تھی۔ وہ پاکستان کے تمام شہروں کے باشندوں کو پتہ ہے۔ ان فوجیوں کو بھی اندازہ ہے جو کہ دشمن کے ہوائی جہازوں کا شکار ہوتے تھے۔ ہوائی حملوں کے وقت، ان کے مقابلے میں زمین والے اپنے آپ کو بے بس (Helpless) پاتے ہیں۔ جس سے حد درجہ کی مایوسی، یقینی موت (کہ بھاگ جانے کی جگہ نہیں ملتی ہے) وغیرہ کے ڈر کے جذبات طاری ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک کی دعا اور خواہش ہوتی ہے کہ کاش ہمارے جہاز نمودار ہو کر ان کو جھپٹ لیں۔ لاہوریوں کا فضائی جنگ کا نظارہ کرنا بہت مشہور بات ہے۔

تمام علوم میں، ہم چونکہ معلوم سے نا معلوم کا اندازہ یا قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ آج کل کے دور میں جاپانیوں کے پرل ہاربر Pearl Harber پر فضائی حملے کا مقابلہ کریں تو بات سمجھنی آسان اور بھی جائے گی۔۔ جنہوں نے یہ فلم دیکھی ہے، وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جاپانی جہازوں کا بندرگاہ پر حملہ بالکل واقعہ فیل کی طرح ہی کا تھا۔ اور امریکیوں کی نفسیاتی حالت بالکل ابرھہ کی فوج کی طرح تھی۔ جنہوں نے یہ فلم نہیں دیکھی وہ یہ فلم ضرور دیکھیں اور دیکھ کر واقعہ فیل کا تجزیہ کریں تو بڑی مدد ملے

گی۔اور جن لوگوں نے پہلے سے یہ فلم دیکھی ہوئی ہے،ان کو پتہ ہے کہ بعینہ یہی صورت امریکن بحری بیڑے پر جاپانی حملے کے وقت بنی تھی۔۔امریکن ابھی ڈیوٹی پر جانے کے لئے صبح کے وقت تیار ہو رہے تھے کہ ان پر جاپانی ہوائی جہازوں نے، نیچی پرواز کرتے ہوئے، بغیر کسی وارننگ کے، اچانک حملے Surprize Attack کے طور پر، نمودار ہوئے تھے اور انہوں نے ہر طرف سے بمبوں کی بارش شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی گولیوں سے بھی حملہ کر دیا تھا۔اور چند منٹوں میں پورا جزیرہ، عمارتیں، اور بحری بیڑہ کے سمندری جہاز، ہوائی اڈہ پر تمام ہوائی جہاز، سب آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ کر تباہ ہو گئے تھے۔کسی بھی امریکن ہوائی جہاز کو ٹیک آف کرنے اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔نہ ہی اینٹی ائر کرافٹ گن کو فائر کرنے کی مہلت ملی تھی۔

اس سلسلہ کا دوسرا واقعہ اسرائیلی ائر فورس کا مصر پر، عید الفطر کے دن، اچانک فضائی حملہ تھا۔جس کے نتیجے میں مصر کے تمام ہوائی جہاز، چند منٹوں میں، ہوائی اڈے پر کھڑے کھڑے تباہ کر دیئے گئے تھے۔ اس وقت مصریوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی اس کا آپ خود اندازہ لگا لیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو کتنا بے بس پایا ہوگا،۔یہ اصحاب فیل سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔

افغانستان میں جب امریکہ نے طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ہوائی حملہ کیا تھا تو دو دن کے بعد طالبان اس بمباری کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہو گئے تھے۔مجھے یقین کہ سب لوگوں نے امریکن B-52 بمبار طیارون کی بمباری کی تسویریں دیکھی ہون گی۔

جنگ عظیم دوم میں جرمنوں کا انگلینڈ پر فضائی حملہ اتنا سخت تھا کہ لوگ مایوس ہو گئے تھے۔ان کو چرچل نے یہ کہہ کر دلاسہ دیا تھا کہ جب تک ہماری عدالتیں انصاف کر رہی ہیں تب تک ہم ہی جیتیں گے۔بعد میں جب انگریزوں نے امریکیوں کی مدد سے جرمنی پر سینکڑوں جہازوں کے ساتھ بیک وقت حملہ کرتے تھے۔تو جرمنوں کا بھی یہی حال ہوا۔ میں نے جنگ عظیم دوم کی چند تصویریں شامل کر دی ہیں جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نیچے زمین پر بسنے والوں کا ان بمون سے کیا حال ہوا ہوگا۔

ان تمام جنگوں پر فلمیں بنی ہوئی ہیں ۔واقعہ فیل کو سمجھنے کے لئے جنگ عظیم دوم کی ان فلموں کو دیکھنا بہت ضروری ہے تب بات سمجھ میں آئے گی۔

ہماری اپنی دونوں جنگوں میں یعنی 1965ء اور 1971ء میں جن جن شہروں کو ہندوستانی ہوائی حملوں کا تجربہ ہے، یا فرنٹ پر سپاہیوں کو فضائی حملوں کا تجربہ ہے۔ وہ آپ کو بخوبی بتا سکتے ہیں کہ فضائی حملے کے وقت کیسی مایوس کن حالت ہوتی ہے۔ Helplessness کی۔اور کیسے اس وقت سپاہی یا شہری اپنی فضائیہ کی آمد کے منتظر اور دعا گو ہوتے ہیں۔

یہی حالت ابرھہ کی فوج کی ہوگی۔کیونکہ فضائی حملے کے خلاف دفاع بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔شہریوں کا یا زمین پر فوج کا۔اور نفسیاتی حالت مکمل مایوسی کی ہوتی ہے۔یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی لڑائی یا جنگ کرنے کی طاقت اور جذبے کا انحصار جیتنے کی امید اور اعتماد پر ہوتا ہے۔جونہی وہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے تو وہ ترنوالہ بن جاتا ہے۔اور طاقت رکھنے کے باوجود لڑنے کی صلاحیت یا will power چھوڑ دیتا ہے۔اسی لئے اس کو دل چھوڑ دینا کہتے ہیں۔

3 ابرھہ کی فتح یمن کے بعد کی نفسیاتی فضا:

ابرھہ بذات خود عیسائی تھا۔ اور یمن کی فتح بھی عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی حمایت میں ہوئی تھی۔ یمن کے یہودی عیسائیوں پر بے انتہا ظلم ڈھا رہے تھے۔ اور انہیں یہودی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اور جو بھی یہودیت کو ماننے سے انکار کرتا تھا، اسے قتل کر دیتے تھے یا زندہ جلا دیتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ صرف زندہ جلنے والے عیسائیوں کی تعداد بیس ہزار (20000) تک پہنچ چکی تھی، جو قتل کر دیئے گئے ان کی تعداد معلوم ہی نہیں۔ ان کو بچانے کے لئے جو فوج حبشہ (اتھوپیہ) سے آئی تھی۔ اس کے سپاہی مذہبی جذبہ سے سرشار تھے اور یہودیوں پر فتح پانے کے بعد ان کا عیسائیت کی سچائی پر ایمان اور بھی پختہ ہو گیا ہوگا۔

عیسائیت پر عمل کرنا اس مذہبی فضا کا یقیناً ایک لازمی جزو ہوگا۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابرھہ نے جب مارب کے عرم کے تالات کی 542ء میں مرمت شروع کی تو سب سے پہلے وہاں گرجا بنوایا تا کہ مزدور عبادت کر سکیں۔ یعنی اس زمانے میں ابرھہ اور اس کے ساتھی سب Practicing Christians یا باعمل عیسائی ہونگے۔ ہم بھی ہر بات میں مذہب کے داخل کرنے کی پریکٹس کرنے والے لوگ ہیں۔ اور جذبہ پیدا کرنے کے لئے مذہب ہی کو استعمال کرتے ہیں۔

ان سب حالات کے پیش نظر ابرھہ اور اس کی فوج کے عیسائیوں سپاہیوں کو عیسائی مذہب کی سچائی پر مکمل یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں صرف یہی سچا مذہب ہے اور یہ کہ خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور وہ ہر جگہ ان کی مدد کرے گا۔ اور وہ ہر دفعہ فتح یاب ہوں گے۔ اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ جبکہ دشمن ناکام۔

4 واقعہ فیل سے پہلے کی فضا:

جب ابرھہ نے مکہ معظّمہ کے بیت اللہ یا کعبہ کی جگہ اپنے تعمیر کردہ گرجا کو عربوں کے لئے مرکز بنانا چاہا تو اس کی یہ خواہش اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ:۔

i) ابرھہ عیسائیت کو مذہب ابراہیم پر غالب کرنا چاہتا تھا۔ (اہل عرب کا مذہب مذہب ابراہیم تھا اگرچہ انہوں نے بت پرستی وغیرہ رسوم کو اس میں شامل کر لیا تھا) حالانکہ عیسائیت اور یہودیت دونوں مذہب ابراہیمؑ کا حصہ ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہی حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تشریف لائے۔

ii) ابرھہ عربوں سے لیڈر شپ چھین کر اہل حبشہ کو دینا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح اہل حبشہ ہی نئے گرجا گھر کے متولی بنتے اور تمام دنیا، خانہ کعبہ کی طرح، اس گرجا کا حج کرتے۔

iii) ابرھہ اس طریقہ سے کعبہ کے ساتھ منسلک سیاسی اور تجارتی فوائد پر بھی کنٹرول حاصل کر لیتا۔

iv) ابرھہ بطور ایک عجمی، تمام عربوں پر حاوی ہو کر ان کو محکوم بنا لیتا۔

یہ تمام مقاصد عربوں کے مزاج کے خلاف تھے اس لئے عربوں کے دل میں ابرھہ کے لئے بغض و عداوت پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ جتنی شدید خواہش ابرھہ کے دل میں تھی، اتنی ہی نفرت عربوں میں پیدا ہونا لازمی تھی اور ان میں ابرھہ کے خلاف گٹھ جوڑ

اور سازش کرنا قدرتی ردعمل تھا اور ہوا ہوگا۔

جہاں ایک طرف گرجا بنا کر ابرھہ اپنی کامیابیوں پر نازاں، مستقبل کی چالوں کے بارے میں پر امید، تمام عربوں پر عیسائیت کو غالب کرنے اور ان پر حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا تو دوسری طرف عربوں کا ردعمل بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہوگا۔ اور مختلف صورتیں اختیار کر رہا ہوگا جیسے کہ محکوم طاقتور کے خلاف اختیار کرتے ہیں اس کی جدید مثالیں ہم سب نے اپنی زندگی میں انگریزوں کے خلاف دیکھی ہیں جن میں عدم تعاون، بائیکاٹ، ہڑتال، جلوس پتھراؤ، جلاؤ، گھیراؤ، وغیرہ شامل تھیں۔ جو کہ پاکستان بننے کے بعد بھی بدقسمتی سے جاری اور دیکھی جا سکتی ہیں۔

گرجا گھر میں گندگی یا پاخانہ کرنا۔ اسے آگ لگانا، نفرت کا اظہار اور برائی ختم کرنے کے ارادہ کا اظہار تھا۔

اگر آج کل کے حکومتی حربوں کو دیکھیں جو ایک ملک کی حکومت دوسرے ملک کی حکومت کے خلاف جارحیت اختیار کرنے کے جواز کے لئے اختیار کرتی ہیں تو یہ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ ابرھہ نے اپنے گرجا کے عربوں کے بائیکاٹ کو دیکھ کر خانہ کعبہ کو گرانے کے ارادہ اور منصوبہ بنایا ہو اور اس کا جواز بنانے کے لئے خود ہی گرجا گھر کو آگ لگا دی ہوتا کہ اس سے دو فوائد حاصل ہو جائیں۔ ایک خانہ کعبہ پر حملہ کا جواز اور بہانہ اور دوسرے فوج اور پبلک، عوام میں مذہبی جوش و جذبہ پیدا کرنا۔ بہر صورت چاہے آگ اس نے خود لگائی / لگوائی یا عربوں نے لگائی، اس سے نتیجہ وہی نکلا کہ عیسائی ابرھہ کا ساتھ دینے پر فوراً تیار ہو گئے۔ اور انتقام کی آگ میں سلگنے لگے۔

اب ان کی ذہنی حالت انتقام لینے، خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور عیسائیت کو فتح مند دیکھنے کی تھی۔ یعنی اب اس میں ذاتی اور مذہبی انتقام اور غصے کا جذبہ شامل تھا۔ اس کے ساتھ ہی فتح کی واضح امید بھی تھی۔ اس لئے کہ اہل عرب ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ جن لوگوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی۔ وہ ان پر غالب آ چکے تھے۔ اس نے ان کو اور بھی حوصلہ مند بنا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ابرھہ کی فوج فتح کے نشہ میں چور تھی۔ تمام راستے میں عربوں کے مختلف قبائل کی اطاعت، حضرت عبدالمطلب کی اپنے اونٹوں کی بازیابی یا تاوان کی گنجائش و رضامندی وغیرہ نے ابرھہ اور اس کی فوج کے حوصلے اور امیدیں بڑھا دیں ہوں گی۔ اور ان کو اپنی مکمل کامیابی کا اس حد تک یقین آ گیا ہوگا جتنا کہ ایک انسان کے لئے ممکن ہے۔

ایسی ذہنی حالت کے دوران حضرت عبدالمطلب ابرھہ کو اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ ابرھہ اپنے زعم میں سمجھا ہوگا کہ ابرھہ اور عیسائیوں کا خدا سچا ہے۔ اس کا مذہب سچا ہے۔ اس لئے وہ قریش اور عربوں کے خدا اور مذہب کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔ اور ان پر اس کو غالب کرے گا۔ اس کے دل میں ذرا سا بھی شک شبہ نہ ہوگا کہ اس کا خدا اس کی مدد نہ کرے گا یا عربوں کا خدا ان کی مدد کو آ جائے گا اور وہ عربوں پر غالب نہ آ سکے گا۔ غرضیکہ خدا کی مدد کا وہ خود کو حق دار سمجھتا ہوگا۔ یہی حالت اس کے سپاہیوں کی ہوگی۔ کیونکہ سپاہیوں کی ذہنی حالت افسروں کی ذہنی حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ وہی تمام خبروں، جذبات کا منبہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی اطلاعات پر ہی یقین کیا جاتا ہے۔

ایسی ذہنی جذباتی نفسیاتی حالت کے ساتھ جس میں اپنی سچائی کا یقین، کامیابی کا بھرپور یقین تھا وہ مکہ کے قرب و جوار میں

پہنچے ہوں گے۔

واقعہ فیل سے ایک رات پہلے فوج کی کی نفسیاتی حالت

اب آپ اس حالت اور منظر کا خود ہی اندازہ لگائیے کہ حملہ سے پہلی رات کیسے گزری ہوگی۔ رات کو دوسرے دن کے واقعات کی تفصیلات پر بحث ہوئی ہوگی کہ کیسے کعبہ پر قبضہ کیا جائے گا۔ اسے ڈھایا جائے گا یا جلایا جائے گا۔ یا پھر اس کا نام ونشان مٹانے کے لئے کیا کیا جائے گا۔ ایسے متوقع عمل سے ان کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ اس پر بحث ہوئی ہوگی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی ان کے چہرے دمک اٹھتے ہوں گے۔ ہنس ہنس کر وہ باتیں کرتے ہوں گے۔ مکہ کے اطراف میں عربوں کے فرار وغیر موجودگی سے وہ لوٹ مار مال غنیمت کا سوچ کر خوش ہو رہے ہوں گے۔ دوسرے دن عید کی سی خوشیوں کے تصورات لے کر وہ سوئے ہوں گے۔ یہی حالت 1965 کی پاک بھارت جنگ میں انڈین آرمی کی ہوئی تھی۔ انہیں لاہور پر چند گھنٹوں میں قبضہ کرنے کا یقین تھا کیونکہ اس وقت لاہور کے دفاع کے لئے کسی قسم کی فوج موجود نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستانی جنرل چوہدری نے اعلان کیا تھا کہ وہ لاہور فتح کے بعد، لاہور جم خانہ میں، شام کے وقت شراب پیئے گا۔ اسے بھی پورا یقین تھا کہ پاک فوج اور عوام اس کا راستہ نہیں روک سکتے اور اس کی فتح یقینی ہے یعنی ایک دن میں لاہور پر مکمل قبضہ۔

صبح اٹھ کر وہ شوق سے تیار ہوتے ہیں۔ کسی مزاحمت کا خیال تک ان کے ذہن میں نہیں۔ وہ یہی سوچ کر جمع ہوئے ہوں گے، صفیں باندھی ہوں گی جیسے وہ کسی کھیل تماشہ دیکھنے یا میلہ میں جا رہے ہوں۔ ابرھہ اپنی کامیابی، خدا کی خوشنودی اور مقبولیت، ثواب کا سوچ رہا ہوگا۔ خود اپنے ہاتھوں سے کعبہ پر قبضہ اور پھر اس کو آگ لگانے کے منظر کو سوچ کر ہی خوش ہو رہا ہوگا۔ اس کے ساتھی اسے کامیابی پر پہلے ہی مبارک باد دے رہے ہوں گے۔ اس کو خوش قسمت بتا رہے ہوں گے۔ کہ اس جیسا عظیم مذہبی کام اس کے ہاتھوں سے سرانجام دیا جا رہا تھا۔ غرضیکہ اس پورے منظر کا آپ خود ایسے ہی اندازہ لگائیں جیسے کہ ہم خود لڑائیوں میں اپنے مخالفین پر فتح کی امید وخواب دیکھتے ہیں۔ یا جیسے 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارت کے کمانڈر انچیف جنرل چوہدری نے دیکھے تھے کہ شام کو لاہور جم خانہ میں شراب پیئے گا کیونکہ پاکستان پر فتح اور لاہور پر کنٹرول اتنا آسان کام سمجھا تھا کہ وہ ناکامی کا دل میں خیال لایا ہی نہ تھا۔

اسی ذہنی ونفسیاتی حالت کے ساتھ طبل کوچ بجتا ہے۔ لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم ملتا ہے مگر یہ کیا؟ سب سے آگے ہاتھیوں کے دستے آگے بڑھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ مہاوت پہلے تو ایسے جانوروں کی عادت سمجھتے ہیں کہ ہاتھی چلنا نہیں چاہتا۔ اسے کچوکے لگاتا ہے۔ ہاتھی دائیں بائیں چلتا ہے۔ مگر مکہ کی جانب جانے سے جھجک رہا ہے۔ 'محمود' نامی ہاتھی چلے تو قافلہ اور فوج چلے۔ اس پر ابرھہ اور دوسرے لوگوں کی بے چینی، مایوسی اور جانور پر غصہ آ رہا ہوگا۔ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ بے وقوف ہاتھی چلے تو ان کا پروگرام شروع ہو۔ یہ ان کے پروگرام میں مانع ہو رہا ہے۔ وہ اسے کوس رہے ہوں گے۔ مگر ان کا ذہن ایک بار بھی اس طرف نہ گیا ہوگا کہ یہ سب کسی غیبی حکم سے ہو رہا ہوگا۔

ایکدم سے مختلف اطراف سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ ظاہرہ جاتے ہیں اور پتھروں سے فوج پر حملہ کر دیتے ہیں۔ پرندوں کی فوج کا پتھروں کی بارش کرنا؟ بھئی یہ تو کبھی سنا نہیں گیا تھا۔ دیکھنا تو دور کی بات ہے۔ مگر یہ تو روز روشن کی طرح حقیقت ہے۔ ہر فوجی اور ابرھہ خود دیکھ رہا ہے۔ سپاہی مر رہے ہیں، زخمی ہو رہے ہیں لوگ، جانور، گھوڑے، ہر طرف بھاگ رہے ہیں بھگدڑ مچ گئی ہے Stampede شروع ہے۔ لوگ گر رہے ہیں دوسرے ان کے اوپر سے گزر رہے ہیں، گرے ہوئے جانوروں کے پاؤں کے نیچے روندے جا رہے ہیں۔ اس حالت کا اندازہ آپ اپنے زمانے میں بھگدڑ کی مثالوں سے سمجھ لیں۔ جیسے حج کے دوران کنکریاں مارنے کے دوران بھگدڑ۔ کسی بلڈنگ میں آگ لگنے کے وقت ہنگامہ اور لوگوں کی بھاگ دوڑ سے ہلاکتیں۔ بم دھماکہ کے دوران لوگوں کا ایک دوسرے کو روندنا۔ ایسے میں سب سے پہلا خیال جو ابرھہ اور اس کی فوج کے ذہنوں میں کوندا ہوگا وہ یہ کہ 'محمود' ہاتھی مکہ کی طرف خدا کے حکم کی وجہ سے نہ چل سکا تھا۔ اب بات واضح ہوگئی کہ یہ ہاتھی عربوں کے اللہ کا حکم مان رہا تھا۔ تو کیا پھر عربوں کا اللہ سچا ہے۔ کعبے کا مالک اسے بچانے کے لئے آ گیا ہے۔ اسی نے اپنی فوج پرندوں کی شکل میں بھیج دی ہے۔ تو پھر یہ یقیناً اللہ کا عذاب ہے جو کہ آن پہنچا ہے۔ کیا اللہ کے غصہ اور انتقام اور سزا سے بچا جا سکتا ہے؟ نہیں نہیں! یہی جواب اس کے ذہن میں آیا ہوگا۔ یہ جواب اپنے ساتھ ایسا ڈر اور خوف لایا ہوگا جس کے حد و حساب کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس لئے کہ ہر مذہب والوں کو یہ علم ہوتا ہے کہ خدا کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب بچنے کی کوئی امید ہی نہ ہو تو ناامیدی کس حد درجہ کی ہوگی، اس کا اندازہ بھی آپ خود ہی کر لیں۔

یہی حقیقت فوراً ہی ابرھہ کی فوج کے ہر افسر، جوان پر کھل گئی ہوگی یعنی عذاب الٰہی کی آمد اور اس کے ساتھ بچ نہ سکنے کا کوئی موقع یا چانس۔ یہی حقیقت خوف و ہراس طاری کرنے کے لئے کافی ہے، خوف کی حالت میں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسان کی طاقت جواب دے جاتی ہے۔ پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ فرار تک کی طاقت نہیں رہتی۔ پھر بھی جان پیاری ہوتی ہے۔ ہر ایک نے پتھروں سے بچنے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر جائیں تو جائیں کہاں۔ دو طرف وادی محسر کے پہاڑ، منی اور مذدلفہ کے، پہاڑ ہیں۔ سامنے مکہ ہے۔ صرف پیچھے کی طرف بھاگ سکتے ہیں مکہ سے مخالف سمت۔

فوج کی حملہ کی ترتیب سے جو لوگ واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس زمانے میں سب سے آگے پیدل فوج ہوتی تھی۔ ان کے آگے ہاتھی ہوتے تھے۔ دائیں بائیں رسالہ یا گھڑ سوار، تیر انداز اگر استعمال کرنے ہوتے تھے۔ تو وہ سب سے آگے ہوتے تھے۔ یہاں تو کوئی مخالف فوج ہی نہ تھی۔ اس لئے آگے ہاتھی پھر گھوڑے، پھر پیادہ فوج اور سب سے پیچھے رسد کا سامان۔ اونٹ گدھے گھوڑے۔ رات کے قیام کی وجہ سے ہر طرف خیمے لگے ہوں گے۔ جیسے منی میں لگے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ابرہہ کی فوج منی اور میدان عرفات کا درمیانی حصے مین تھی

افسروں کے بیوی بچے ساتھ ہوں گے۔ رسد والے سپاہیوں کی فیملی ساتھ ہوگی۔ فوج کے لئے فالتو گھوڑے ہاتھی بھی رسد والوں کے پاس ہوں گے۔ کھانے کے لئے بکریاں، گائے بیل ہوں گے۔ یہ سب قفلہ میلوں لمبائی تک محیط ہوگا۔ (جب انگریزوں نے افغانستان پر درہ خیبر کے راستے حملہ کیا تھا تو ان کی فوج کو شروع سے آخر تک دس میل کی لمبائی تک فوج پھیلی ہوئی

تھی۔)۔ جب شکست ہو جائے اور سامنے والے دستے پیچھے بھاگیں تو پھر اس لمبائی میں پری فوج کی حالت ہوئی ہوگی۔ اس کا سماں یوں ہے۔

وادی تنگ، اوپر سے پتھروں کنکروں کی بارش۔ جس آدمی کو لگا ہوگا وہ گر کر یا زخمی ہو کر گرا۔ گھڑ سوار کے گھوڑے کو لگا تو وہ زخمی ہو کر بدک کر بھاگا۔ کنٹرول سے باہر ہوا۔ ہاتھی بھی بھاگ رہے ہیں پیچھے کی طرف۔ جانور۔ انسان سب زخمی ہو کر گر رہے ہیں دوسرے ان کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔ چیخ و پکارنے اور بھی گھبراہٹ پیدا کر دی ہے۔ غرضیکہ اس بھگدڑ سے قیامت کا سماں بن گیا ہوگا۔ خیمے راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں، کچھ گر گئے ہیں۔ بہت سوں نے آگ پکڑ لی ہوگی۔ ہر طرف دھواں ہے گرد و غبار ہے تباہی و بربادی ہے۔

ابھی پرندوں کا ایک جھنڈ پتھر گرا کے گزر گیا تو دوسری جانب سے پرندے آنے شروع ہو گئے اب ان سے کہاں چھپیں۔ کچھ لوگ پتھروں کی اوٹ میں چھپنے کی کوشش میں ہیں۔ ہر طرف کنکر پھیل گئے ہیں۔ ان کنکروں پر چلنا اور بھی مشکل ہے۔ جانور انسان پھسل کر گر رہے ہیں۔ لوگ کراہ رہے ہیں غرضیکہ ابرھہ کی فوج اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے تتر بتر ہونے کے کوشش میں ہے۔ راستوں کا پتہ نہیں، دشمن ملک ہے۔ راہنماؤں کو ڈھونڈا جا رہا ہے۔ لیکن اب وہ ان کو کہاں ڈھونڈیں۔ کیا اور کیسے پوچھیں کہ اب کیا کریں۔ کدھر سر چھپائیں۔ بھاگنے کا راستہ دکھانے والے عرب بھاگ گئے ہیں۔ وہ تو مکہ کی طرف بھاگ گئے ہوں گے۔ اور کنکروں سے بچ گئے ہوں۔ جا کر مکے والوں کو بتایا ہوگا۔ مکہ والے خود بھی دیکھ رہے ہونگے۔ کہ ان کا اللہ ان کی حفاظت کے لئے آ پہنچا ہے وہ شیر دل ہو کر ابرھہ کی فوج پر پیچھے سے حملہ آور ہوئے ہوں گے۔ راستے کے عرب قبائل بھی ان کے پیچھے پڑ گئے ہوں گے۔ آخر کار ہارے ہوئے اور بھاگتے ہوئے دشمن کو کون چھوڑے گا۔ وہ تو آسان شکار ہوتا ہے۔

غرضیکہ آپ خود اس فوج کی حالت کا اندازہ لگائیں جو غصے سے بھر پور انتقام لینے، اپنے مذہب کو سر بلند کرنے، عربوں پر فتح کے خواب اور اونچی امیدیں لئے آئی تھیں۔ اچانک نا قابل یقین حالات سے دوچار ہو کر مکمل شکست سے دوچار ہو جائے۔ اور مخالف بھی سوائے خدا کے اور کوئی انسان نہ ہو۔ تو ان کی جذباتی، نفسیاتی، ذہنی حالت کیا ہوگی۔ یقینی موت، شکست، ذلت عربوں کے خدا کی سچائی۔ اپنے خدا سے مایوسی، غلطی کا احساس۔ گناہ کا بوجھ اپنا اور بیوی بچوں کا مستقبل تباہ۔ دوزخ کا عذاب، عربوں کا ڈر Repurcussions وغیرہ۔ سب شامل ہوں گے۔ ان سب میں سے خطرناک ترین عذاب الٰہی کا پہنچ جانا۔ اور اس سے بچ نکلنے کی سکت نہ رکھنا ہے۔ ایسی نفسیاتی حالت میں جو مختلف اثرات مرتب ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

i) کمزور دل لوگوں کا ہارٹ فیل ہو گیا ہوگا۔ وہ فوراً مر گئے ہوں گے۔

ii) جن کا ہارٹ فیل نہ ہوا ہوگا ان پر موت کا خوف اس درجہ طاری ہوا ہوگا کہ وہ کسی کام کے قابل نہ رہے ہوں گے۔ نہ ہی وہ کھا سکتے ہوں گے جس کا لازمی نتیجہ انکے پاگل پنے پر منتج ہوا ہوگا۔

iii) کچھ لوگ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہوں گے۔

iv) جو زخمی ہو گئے تھے ان کا اپنی صحت یابی پر یقین ختم ہو گیا ہوگا۔ اور موت کا یقین اس حد تک ہو گیا ہوگا کہ ان کا صحت یاب

ہونا اور بچ رہنا ناممکن ہو گیا ہوگا۔اس لئے کہ صحت یابی کے لئے امید کا سب سے بڑا نفسیاتی ہاتھ ہوتا ہے۔ (اس کی مثال ایک مکہ کے کافر کی ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے صرف نیزے سے گردن پر زخم لگایا تھا۔وہ صرف اس خوف سے کہ اللہ کے نبی کا زخم لگایا زخم ٹھیک نہیں ہوسکتا۔وہ مر گیا حالانکہ معمولی سا زخم تھا)

v) جینے سے دل اچاٹ ہو گیا ہوگا۔زندگی بوجھ بن گئی ہوگی۔ایسے میں خودکشی کا رجحان عام ہوگا۔کیونکہ مدافعت کا جذبہ اور جسمانی قوت ختم ہو جاتی ہے۔

vi) مایوسی کی وجہ سے مدافعت کا جذبہ اور قوت ختم ہو جاتی ہے اس لئے وہ عربوں کا تر نوالہ بن گئے ہوں گے جبکہ بھاگتے ،شکست خوردہ دشمن پر عرب شیر ہو گئے ہوں گے۔

vii) علاج معالجہ کی سہولتوں کے ختم ہونے سے زیادہ تر زخمی زخموں کی تاب نہ لا کر مر گئے ہوں گے۔

viii) جو واپس پہنچ سکے ہوں گے وہ ویسے ہی دوسروں کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گے۔

ix) ایسی حالت میں محکوم ومفتوح علاقوں میں بغاوت قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔اس نے باقی لوگوں کا کام تمام کر دیا ہوگا۔

x) گیس گنگرین کے نتیجے میں جراثیم کا Incubation time صرف 9 گھنٹے ہے۔اس لئے صبح یا دوپہر کو زخمی ہونے والوں کے زخم شام تک پٹھنے لگے ہوں گے۔علاج معالجہ کی سہولیات اس زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ایسے زخموں کے لئے Anti Biotic دوائیاں چاہئیں۔آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے زیادہ تر زخمی اس مرض سے مر گئے ہوں گے۔جنگ عظیم اول کا تجربہ ہے (جبکہ دوائیاں موجود تھیں) کہ گیس گنگرین کے 50 فی صد زخمی مر گئے تھے۔آپ چھٹی صدی کا سوچ لیں وہاں مرنے کی نسبت کتنی ہوگی۔

(میرا خیال ہے کہ مجھے ابرہہ کی فوج کی طرح 1965 کی پاک بھارت جنگ میں بھارتی فوج کی کیا حالت ہوئی تھی بیان کرنا بڑا ضروری ہے۔اللہ تعالی نے بھی بھارتی فوج کو پرندوں کے ذریعے ہی لاہور فتح کرنے میں شکست دی،مگر یہ پرندے ہماری ائر فورس کے ہوائی جہاز تھے۔جنکو،اپنے فضل وکرم سے،ان پرندوں کی مماثلت کا رول عطا فرما دیا تھا اور انہوں نے بھی بھارتی فوج کا حملہ روکنے میں طیرا ابابیل کی طرح۔یعنی جھنڈ کے جھنڈ پرندوں کی طرح،حملہ کیا۔ ایک چار جہازوں کی فارمیشن آکر نیپام بموں کے ساتھ ٹینکوں کے ساتھ تباہ کرنے کے بعد،فوری مشین گنوں کے ساتھ ٹرکوں اور جیپوں کے کانوائے پر فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ایمونیشن ختم ہوتے ہی ہمارے سیبر طیارے واپس چلتے تھے تو اسی وقت دوسری فارمیشن حملہ آور ہونے کے لئے آرہی ہوتی تھی۔سارا دن، ان پے در پے حملوں سے بچنے کے لئے بھارتی ٹینکوں کے ٹریک کی فلمیں جو ہمارے طیاروں نے ریکارڈ کی تھیں،وہ ہماری ائرفورس کا قابل فخر سرمایہ ہے۔یہ دیکھ لیں تو ابرہہ کی فوج کی بھاگ دور سمجھی جاسکتی ہے۔

الحمدللہ تعالی کہ یہ واقعہ دراصل بھارتی فوج کے خلاف اصحاب الفیل جیسا ہی معجزہ تھا جو اللہ تعالی نے پاکستان بچانے کے لئے ائرفورس کے بیس سے پچیس سال کی عمر کے نوجوان پائلٹوں کے ذریعے انجام دلوایا۔وہ ذات باری تعالی کسی سے بھی کوئی کام اپنی مشیت کے مطابق لے سکتا ہے۔سبحان اللہ تعالی ۔اللہ تعالی ان تمام پائلٹوں،مکینکوں اور سرگودھا بیس کے تمام

کارندوں کو اپنے فضل سے نوازے آمین۔

میرے خیال میں ائرفورس کے افسروں کی خواتین کا ذکر بھی، غزہ احد کی خواتین کی طرح کرنا ضروری ہے۔ چونکہ تمام پائلٹ پہلے دو دن صبح سے رات گئے تک اتنے مصروف تھے کہ گھر آنا ممکن نہ تھا تو بیس کی خواتین بھی اچھے اچھے کھانے بنا کر بھیج رہی ہوتی تھیں۔ بیس کمانڈر کی جرمن بیوی خود تشریف لاتی تھیں۔ خواتین کی شمولیت اور حوصلہ افزائی یقیناً ہمارے لئے بہت اہم رہی۔ اللہ تعالی ان سب خواتین کو بھی اپنی خصوصی حمت سے نوازے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ پاکستان ائرفورس کے پائلٹون اور تمام عملے کو ہمیشہ ایسی ہی کامیابیاں عطا فرماتا رہے۔ آمین)

ابرھہ کی فوج کی تباہی میں زیادہ عنصر بھگدڑ اور نفسیاتی اثرات لگتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ اپنے زمانے کے مختلف حادثات سے لگائیں۔ جہاں کہیں بم دھماکہ ہوتا ہے۔ سینما یا بلڈنگ میں آگ لگتی ہے۔ تو زیادہ اموات بھاگتے انسانوں کا ایک دوسرے کو روندنا ہوتا ہے۔ حج کے دوران منیٰ میں آگ لگنے کے بعد جو سینکڑوں حاجی مر گئے تھے وہ ایکدوسرے کو روندے کی وجہ سے ہوا۔ جو کمزور گر گیا تو باقی سب اس پر سے گزرتے اسے مار ڈالتے۔

عذاب الٰہی کا عنصر یا Factor بھی نفسیاتی ہے بنیادی طور پر۔ جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک دشمن کو صرف نیزے کی انّی سے ہلکا سا زخم دیا تھا۔ جس سے عام حالت میں بندہ بچ جاتا مگر وہ زخمی اتنا خوف زدہ ہوا کہ وہ اس معمولی زخم سے ہی مر گیا۔ اس کو موت کا یقین ہو گیا تھا۔ کہ حضورؐ کے لگائے زخم سے بچنا مشکل ہے۔

اس واقعہ سے اخذ کردہ سبق

انسان بار بار دور جاہلیت کی طرف واپس جاتا ہے

عرب , حضرت اسماعیل کے ذریعے دین ابراھیمؑ کے پیروکار تھے۔ بعد میں بت پرستی کرنے لگے تھے۔ مگر بت پرستی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھتے تھے۔ اور دوسرے عقائد کو بھی مانتے تھے۔ مگر بتوں کو خدا کے نائب اور نمائندے کی حیثیت دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کے ذریعے خدا تعالیٰ سے مانگا جائے تو جلدی مل جاتا ہے۔ غرضیکہ غیبی خدا کی بجائے وہ عینی خدائی نمائندہ کی پوجا کرتے تھے۔ روایات میں ہے کہ عربوں نے واقعہ فیل کے بعد بت پرستی چھوڑ کر پھر کچھ عرصہ کے لئے دین ابراہیم کی طرف رجوع کرلیا تھا مبادا کہ وہ بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ یہی سب سے بڑا نفسیاتی اثر تھا جو کہ عربوں پر پڑا۔ مگر یہ اثر زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ حضرت ام ھانیؓ اور حضرت زبیر بن العومؓ کی روایت ہے کہ **"" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے 10 سال اور (براویت بعض 7 سال) تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔ ""**

اس واقعہ پر بہت سے شعراء نے قصائد کیے ان قصائد میں یہ بات بالکل نمایاں ہے کہ سب نے اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجاز قرار دیا۔ جب کہ کہیں اشارۃ و کنایۃ بھی یہ نہیں کہا کہ اس میں ان بتوں کا بھی دخل تھا جو کعبہ میں پوجے جاتے تھے۔

۔ خود ہی سوچئے یہ نا قابل یقین واقعہ، بلکہ معجزہ، دیکھ کر عربوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہوں گے؟ ان کے دلوں میں اللہ کی ذات پر یقین محکم، اس کی بے پناہ طاقت وقوت پر پورا یقین اور اس کے احکام کی خلاف ورزی اور ناراضگی پر اس کی سزا کا خوف ۔ یہ سب ایمان کو تر و تازہ کر گئے اور عربوں کو واپس صراط مستقیم کی طرف مائل کر گئے ہوں گے۔ اگر چہ اس وقت تک صراط مستقیم بذات خود صحیح طور پر واضح نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ تب تک دین ابراہیمؑ رسوم کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ لیکن انسان کے حافظے کا کیا کیا جائے کہ یہ بڑی سے بڑی مصیبت بھی وقت کے ساتھ بھول جاتا ہے۔ اور واپس اپنے باپ دادا کی رسوم کو پلٹ جاتا ہے۔ اس کے اسباب بھول جاتا ہے۔ اس کے نتائج پر اس کی نظر نہیں رہتی۔ اور وہ پھر اس خیال غلط میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں جو کچھ بھی اپنی مرضی سے کرتا رہوں مگر میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ فراغت اور امن ملنے کے بعد ایسی غلط فہمی انسانوں کے ساتھ عموماً ہوتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ نہیں۔ اور یہی سوچ اس کی نسلوں کو تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی یاد دلاتا ہیکہ :۔

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہم کو تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ (رسوم، پرم پرا) اور چاہے ان کے باپ دادے نہ علم رکھتے ہوں کچھ بھی اور نہ ہی راہ جانتے تو بھی۔ (مائدہ 104) "اور جب کریں کچھ عیب کا کام، کہیں ہم نے دیکھا اس طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے ہم کو یہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو کہہ: اللہ حکم نہیں دیتا عیب کے کاموں کا: کیوں جھوٹ بولتے ہو اللہ پر: جو معلوم نہیں رکھتے۔ (اعراف 7 آیت 128)

عربوں کے ساتھ بھی واقعہ فیل کے اگلے دس سال میں ایسا ہی ہوا۔ وہ اپنی بت پرستی کی عادت کی طرف لوٹ آئے ۔اور اس واقعہ سے صرف وقت گننے کا کام لینے لگے۔ کہ فلاں واقعہ 2 عام الفیل میں ہوا۔ یا 6 عام الفیل میں ۔ بہرصورت نیک سیرت لوگوں پر اس واقعہ کا اثر پائیدار رہا۔ اور وہ خدائے واحد کی طرف دل سے لوٹ آئے ۔ اور خالق حقیقی کو ایک دفعہ پہچاننے کے بعد دوبارہ پتھروں کی پرستش سے باز رہے۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے وقت ایسے اصحاب ضرور موجود تھے جن کے دلوں میں ایمان تھا۔ جو بت پرستی سے نالاں تھے۔ مگر معاشرہ کے دباؤ کی وجہ سے نہ بول سکتے تھے نہ کچھ کر سکتے تھے۔ ان حضرات کی موجودگی بھی غنیمت تھی کیونکہ انہی نفوس نے حضور اکرم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور ابتدائی دور میں مددگار ثابت ہوئے۔

انسان کتنے عرصے بعد پھر دور جاہلیت مین جاتا ہے؟ چند واقعات کا ٹائم پیریڈ کا حساب نوٹ کریں کہ واقعہ فیل سے صرف چالیس سال بعد ہی قریش اور مکہ کے مشرکین و کفار نے حضور اکرم ﷺ کے اعلان نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل نے، حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر صرف چالیس دن چلے جانے کے دوران ہی بت بنا کر پوجنا شروع کر دیا تھا۔ نعمت شاہ ولی کی پیشگویوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ مستقبل میں مسلمان پورا ہندوستان فتح کر لیں گے مگر چالیس سال بعد ہی ان میں برائیاں پھر سے ابھر آئیں گی۔

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے صرف بیس سال بعد حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بنی ہاشم اور بنو امیہ کے سیاسی اختلافات ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے اور وہ شہید کر دئے گئے تھے۔ پھر حضرت علیؓ کی خلافت 40 ہجری میں ان کی شہادت کے نتیجے میں ختم ہوئی یعنی حضور پاک ﷺ کی وفات کے صرف تیس سال بعد۔ حضرت امام حسینؓ کو 61 ہجری میں حضور ﷺ کے صرف پچاس سال بعد شہید کر دیا گیا۔ یعنی اسلامی انقلاب کے بعد صرف پچیس سال بعد ہی دنیاوی مفادت کے لئے دوڑ شروع ہو گئی تھی اور اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایت کہ آپس میں تفرقہ نہ ڈالو، کو بھول گئے۔ مسلمانوں کے انقلاب کا دنیا کے دوسرے انقلابوں سے موازنہ بڑا دلچسپ ہے۔

چینی انقلاب 1948 میں آیا تھا مگر وہ اب بھی ترقی کی طرف گامزن ہے اور دنیا کی بڑی طاقت بن گیا ہے۔ کیوں؟

سنگاپور، جنوبی کوریا، انڈیا سب ترقی یافتہ ملک بن گئے ہیں ان کے انقلاب مستحکم ہیں۔ کیوں؟

ملائشیاء اور ترکی، دونوں اسلامی ملک، اسلام اور دنیاوی ترقی کو ساتھ ساتھ لے کر چل رہے ہیں مگر ان کے لیڈروں کے خلاف اپنے ہی کیوں مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ کیوں؟

پاکستان بننے کے صرف چوبیس سال بعد ہم دو قومی نظریہ بھول چکے تھے اور آدھا ملک کھو دیا۔ کیوں۔؟

اس واقعہ فیل کے نفسیاتی اثرات کو سمجھنے کے لئے پاکستان کی اپنی مثال سے بہتر کوئی مثال نہیں دے سکتا کیونکہ اس مثال کی تفصیل سب جانتے ہیں۔ اور اس سے موازنہ کر کے ہم نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ 1947ء کے وقت کے عذاب، مشکلات، قربانیوں، مصائب کا اندازہ کریں۔ اور اس کے صرف دس پندرہ سال بعد کی زندگی دیکھ لیں کہ ہندوؤں کی پراپرٹی کے پیچھے ہر اصول بھول گئے۔ صرف چند ہی سالوں میں ہم اللہ تعالیٰ کے امتحان کو بھول کر پھر اپنی پرانی روش پر آ گئے ہیں۔ بجائے شکر ادا کرنے

کے۔اسی طرح 1971ء کی جنگ اور شکست اور ملک کا آدھا حصہ گم کرنے کے باوجود ہمارے اعمال میں بحیثیت قوم ذرہ برابر فرق نہیں پڑا۔اور نہ ہی ہم نے کوئی سبق سیکھا ہے۔نہ ہی بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔بلکہ وہ لوگ بھی جو بذات خود اس قیامت سے گزر کر آئے تھے۔وہ بھی اسی طرح افعال بد میں مبتلا ہیں جیسے وہ لوگ جنہوں نے صرف ان واقعات کو سنا ہے۔یعنی اگر ہمارے زمانے کے انسان ایسے ہیں تو اس زمانے کے عرب بھی نسبتاً ہم جیسے ہی ہوں گے۔

جگ بیتی سے کبھی کوئی انسان نہیں سیکھتا۔صرف چند لمحے سوچ لیتا ہے۔آپ بیتی سے کچھ عرصے کے لئے اثر لیتا ہے۔پھر ان کو بھول کر اپنے انہی اعمال میں گم ہو جاتا ہے۔جنہوں نے آپ بیتی کو جنم دیا تھا۔ہمیں عربوں کے اس رویے پر حیرت نہیں ہونی چاہیے۔کیونکہ یہ اس قوم کا جو پستی کی طرف مائل ہو یہی طریق رہا ہے۔اپنے تجربات کو بھول جاتی ہیں۔نہ ہی ان سے سیکھتی ہے نہ ہی اصلاح کا سوچتی ہے۔ اور پھر دور جاہلیت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔دور جاہلیت دراصل کسی خاص زمانے کا نام نہیں بلکہ جب بھی کوئی قوم کسی بھی قانون کو ماننے کی بجائے اپنی مرضی کرنے لگے تو جاہلیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔جس کو صرف ڈر سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔کیا ہم 2012ء میں اسی دور میں نہیں رہ رہے۔؟

اوپر کی بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ،لوگوں کے حافظے بڑے کمزور ہوتے ہیں۔یہ ہر بار اللہ کی مرضی کی بجائے اپنی مرضی کرنے کی طرف لوٹ جانا پسند کرتے ہیں۔اور ہر بار نقصان اٹھاتے ہیں۔آج بھی وہ قومیں ترقی یافتہ اور دوسروں پر حاوی ہیں جو کسی قاعدے،قانون اور اصولوں پر زندگی گزارنے کی عادی ہیں اور اپنی مرضی نہیں کرتیں۔

دوسرا سبق:۔لیڈر ہی ہر ملک،معاشرے میں اچھائیاں یا برائیاں پھیلانے کا باعث ہی بنتے ہیں

"انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ بناتا اور ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے(204)البقرہ۔جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے۔کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔(205) جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے ایسے شخص کے لئے بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے(206)البقرۃ۔

میرے خیال میں،مسلمان ملکوں میں،بری حکومت،بنیادی طور پر سب لیڈرشپ کی خامیوں کی وجہ سے ہے۔ہمارے لیڈروں کی وفاداریاں کبھی بھی عوام کے ساتھ نہیں رہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے آپ کو عوام کے ساتھ identify کیا ہے۔وہ ہمیشہ عوام کو محکوم اور غلام سمجھتے رہے ہیں۔اس کے برعکس انگریزوں کی ہندوستان میں حکومت کی مثال ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عوام کو اپنا سمجھ کر انکے لئے یونیورسل تعلیم کو عام کیا۔ریلوے،نہریں بنائیں،قوانین بنائے،سسٹم دئے جو آج تک چل رہے تھے مگر موجودہ حکمران ان تمام اداروں،سسٹم کو بار بار اپنے مفادات کے لئے تبدیل کر کے تباہ کرنے کے درپے ہیں۔جبکہ انڈیا میں اب بھی گوروں کے سسٹم کے تحت حکومتیں کامیابی سے چل رہی ہیں۔

پاکستانی عوام بھی کچھ حد تک قصوروار ہیں۔ وہ بھی بڑی جلدی میں ہیں۔ اس لئے لالچ میں اپنے آپ کو دوسروں کی غلامی میں دینے کے لئے ہم وقت تیار رہتے ہیں۔ آپ تمام پیغمبروں کی کہانیاں پڑھیں تو اس وقت کے بادشاہ، یا چوھدری جو کہتے تھے وہی عوام کرتے تھے۔ مگر ان عوام کو قیامت کے دن کیسا حشر ہوگا وہ قرآن کی زبانی سنئے:۔

"" کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ کاش جو کچھ عذاب کو دیکھ کر انہیں سوجھنے والا ہے۔ وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔(165)البقرہ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہ پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے۔ مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب ووسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا(166)البقرہ اور وہ لوگ جو دنیا میں انکی پیروی کرتے تھے کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم ان سے بیزار ہو کر دکھا دیتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے۔ مگر آگ سے نکلنے کو کوئی راہ نہ پائیں گے۔(167)البقرۃ۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے(176)البقرۃ

اسلام کے وقت بھی اگر قبیلے کا سردار مسلمان ہوگیا تو پورا قبیلہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی بنی ہاشم/بنو عباس اور بنوامیہ کی لیڈرشپ میں لڑائی ہی نے بڑے نقصان پہنچائے۔ قائیداعظم کے بعد پاکستان میں ایک بھی لیڈر نے عوام کی بھلائی نہیں سوچی۔ ذاتی مفادات کو ہی آگے بڑھایا ہے۔

تیسرا بڑا نتیجہ یہ نکالا جاسکتا ہے کہ

جس عیسائی یا یہودی ملک، قوم میں مذہبی لیڈر کو اثر ورسوخ ملے گا تو وہ اپنے دنیاوی مفادات کے لئے مذہب کے نام پر، ثواب کمانے کے نام پر، مسلمانوں کے خلاف شورش ضرور کرے گا جس کا نتیجہ ہمیشہ قتل وغارت کی صورت میں نکلے گا۔ اس کی تازہ مثال مذہبی ذہن رکھنے والا امریکی صدر بش اور اس کا گروہ تھا جس نے تیل پر قبضہ کے لئے مذہب کو ذریعہ بنایا تھا اور مسلمان ملکوں پر 9/11 کا بہانہ بنا کر حملہ کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں مسلمان بھی قصوروار ہیں کہ بغیر کسی طاقت اور تیاری کے نعرے لگانے لگ پڑے کہ یہ صدی مسلمانوں کی ہے اور یوں تمام غیر مسلم طاقتوں کو ڈرا دیا اور حفظ ماتقدم کی پالیسی کے تحت انہوں نے ایکا کر کے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے کمزور کرنے کی پالیسی اپنالی ہے۔

ابرھہ کے بعد تمام یورپی ممالک کے عیسائیوں نے، اپنے بادشاہوں کی لیڈرشپ میں، صلیبی جنگوں یا کروسیڈ کے نام پر 1100ء میں پھر مڈل ایسٹ پر حملے کر کے مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو جب ڈیڑھ سو سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کی لیدرشپ ملی تو انہوں نے ان سب کو مار بھگایا اور آزادی حاصل کی۔ اسی طرح مسلم سپین پر مذہب

کے تعصب اور نام پر فتح کے بعد یا تو مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا تھا، یا عیسائی بنا لیا یا جلاوطن کر دیا حتی کہ ایک مسلمان بھی نہ بچا۔ ہندوؤں نے بھی یہی مقصد بنایا ہوا ہے کہ اس علاقے سے سب مسلمانوں اور عیسایوں کو نکال دینا ہے۔آئر لینڈ میں کیتھولک عیسایوں نے غلبے کے لئے دہشت گردی شروع کی ہوئی تھی جو بل کلنٹن نے ختم کروائی۔ پاکستان میں آج کل مسلمان ہونے کے باوجود مسلک کے نام پر تعصب پھیل رہا ہے جس سے فساد کی شکل بن گئی ہے۔میں اس موضوع پر سوچ کے لئے آپ کو دعوت دے رہا ہوں کہ آپ خود بھی سوچیئے۔کیا ہم مذہبی ہونے کی جگہ اللہ والے نہیں بن سکتے۔اللہ والے لوگ تو ہر انسان سے محبت کرتے ہیں۔اسی لئے حضور اکرم ﷺ نان مسلموں کے لئے اتنے فکر مند رہتے تھے کہ ان کو آگ سے کیسے بچایا جائے حتی کہ اللہ تعالی کو سمجھانا پڑا کہ آپ ﷺ فکر مند نہ ہوں ہدایت دینا میرا کام ہے آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ہمیں بھی اس سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے نان مسلم لوگوں کی فکر کر کے انہیں آخری نبی ﷺ کے ذریعے، اللہ تعالی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے، محبت اور حکمت سے دعوت دینے کا ارادہ کرنا چاہیئے۔محبت ہی ہمیشہ فاتح عالم بنتی ہے۔**آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں بار بار سوچنے، غور و فکر، تدبر کی دعوت دیتا ہے۔**مگر ہم اس کے کلام کو صرف مذہبی نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں جبکہ ہر آیت میں اس دنیا کی زندگی کے لئے بھی ان گنت سبق پوشیدہ ہیں جن کو ہماری مذہبی یا سیاسی لیڈر شپ سیکھنے کے لئے تیار نہیں۔جبکہ مغربی دنیا نے یہ سیکھ لیا ہے۔اسی وجہ سے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے میثاق مدینہ کی طرز پر اپنے ملکوں میں نظام رائج کیا ہے کہ کسی بھی ملک، مذہب، کلچر کا بندہ ہو، اس کی ایک دوسرے سے تعلق کی بنیاد صرف اس ملک کی شہریت ہے، باقی ساری باتیں ذاتی ہیں اور کوئی کسی کی ذاتیات میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔اگر ہم نے بھی مذہب، مسلک، زبان، نسل علاقائی تعصّبات سے جان چھڑانی ہے تو ہمیں بھی، اندرونی امن لانے کے لئے، میثاق مدینہ پر عمل کرنا ہوگا اور آپس میں تعلق کی بنیاد صرف پاکستانی شہری ہونے پر قائم کرنی ہوگی۔؟ یعنی سنت نبوی ﷺ کی طرف لوٹنا ہوگا۔" **جس میں مدینہ کے مسلمان مہاجرین وانصار، یہود کو ایک امہ یا کمیونٹی قرار دیا گیا تھا اور ہر ایک اپنے مذہب یا کلچر کو پریکٹس کرنے میں آزاد تھا۔مگر داخلی امن کو یقینی بنانے اور خارجی حملہ کی صورت میں سب مل کر کام کریں گے۔"**

اختتامیہ

اصحاب الفیل کے ساتھ کیا گزری، وہ کیسے تباہ و برباد ہوئے۔؟ اس کی تفصیل میں نے بیان کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا داؤ یا پلان فیل کردیا اور اپنی غیبی مدد سے فوج کو تباہ کر کے بھس یا چارہ کھائے ہوئے کی طرح کردیا یعنی کچھ مارے گئے، کچھ روندے گئے ، کچھ زخمی ہئے، باقی بکھر گئے اور یوں ختم ہوگئے۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ ان اللہ علی کل شی قدیر میں نے پرندوں کے کنکروں سے، انسانوں اور جانوروں کا قتل زخمی ہونا ممکن ہے، ثابت کردیا ہے۔ جس کی زندہ مثال اب پرندوں کی بجائے ہوائی جہاز اور کنکروں کی جگہ بم ہیں جو کہ انسان کی ایجاد ہیں۔ اگر انسان اپنی عقل سے یہ کرسکتا ہے کہ کشش ثقل کو بطور ہتھیار استعمال کر سکے، تو قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے۔ رہی مافوق الفطرت عمل (Behaviour) کہ پرندے ایسا کام نہیں کرتے، تو یہی تو معجزہ کہلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے، اپنی اس دنیا کے قوانین فطرت کو نظر انداز کر کے، اپنی مرضی اور حکم کے مطابق، کن فیکوں کے قانون کو استعمال کرسکتا ہے اور تبھی، ایسی ہی چیزیں، باتیں کر کے وہ اپنے قادر مطلق ہونے اور انسان کے بے بس ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور اس میں بھی لوگوں، انسانوں کی بھلائی کا ہی ارادہ ہوتا ہے۔ کہ لوگ سمجھ کر اپنے غلط اعمال، من مانی کرنے کے طریقے چھوڑ کر اس کے بتائے ہوئے طریقوں اور اس کی مرضی پر دوبارہ عمل کرنا شروع کردیں۔ یہ اس ذات باری تعالیٰ، رحمٰن ورحیم کی محبت ہی ہے، اپنی مخلوق کے لئے، کہ وہ انہیں غلط کاریوں کے نتیجے میں ہونے والے مستقبل کے مستقل عذاب سے بچائے۔ اگر کوئی کہنا نہ ماننا چاہے، تو اس نے تو انسان کو ارادہ واختیار ہی اسی لئے دیا ہے کہ اس پر ہی اس کا حساب ہوگا۔ کہ اس نے خیر کو یا شر کو اپنی مرضی سے یعنی By choice اختیار کیا تھا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ سورۃ فیل کے اس سائنسی جائزے سے اور ہوائی طاقت کے موازنے سے بخوبی یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے بیان سے یہ سمجھانے کی کوشش کررہا ہے کہ اپنی مرضی کرنے، تکبر سے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنے کی بجائے ہمیں اس کہ حاکمیت، ربوبیت کو دل سے تسلیم کرلینا چاہئے اور اسکی طرف رجوع کر کے اس کی بندگی اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۔ کتاب پڑھنے کے بعد ہمیں یہ فیصلہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر اصحاب الفیل کے ساتھ جو کہ غلط ارادہ سے آئے تھے۔ غلط کاری پر مائل تھے۔ اللہ نے یہ سلوک کیا تھا۔ تو وہ ہماری غلط کاریوں پر بھی سزا دینے پر قادر ہے۔ اس لئے سزا سے پہلے دوسروں کے تجربہ سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرلینی چاہیے۔ انسان چونکہ ہمیشہ دوسروں کو دیکھ کر اور نقل کر کے سیکھتا ہے، اسی لئے **جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ**

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ o (سورۃ انبیاء۔ آیت 107)

''ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔'' تفہیم القرآن

We sent thee not save as a mercy for the peoples.(107-21) Pikthal

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا o (سورہ احزاب۔ آیت 21)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ تھا ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔'' تفہیم القرآن

Verily in the Messenger of Allah Ye have a Good Example for him who looketh

unto Allah and the last Day, and remembereth Allah much. (21-33) (Pikthal)

تو وہ ہمارے لئے رول ماڈل مقرر فرما رہا ہے کہ ان کی نقل کرو۔ اپنی مرضی نہ کرو۔ اگر دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہونا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں ہر مسلمان اگر روزانہ ایک رکوع قرآن پاک اور سیرت کی ایک بات پڑھنا، اس پر غور و فکر کے بعد اس پر عمل کرتا رہے تو پھر کبھی باپ دادا کی رسوم کی غلط رسوم کی طرف نہیں لوٹے گا۔ انشائ اللہ

تمام کلام پاک انسان کو اس کی حیثیت، کمزوری، بے بسی یاد دلاتا ہے کہ وہ ایک حقیر پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ ایک زمانے میں کوئی قابل ذکر شئے نہیں تھا مگر جب اللہ تعالی اسے جسمانی طاقت دے کر دنیا کی نعمتیں دیتا ہے تو وہ سب کچھ بھول کر ،فرعون کی طرح، لوگوں کے لئے خدا بننے کی خواہش اور کوشش کر بیٹھتا ہے جو غلط بات ہے۔ خلاف حقیقت بات ہے۔ وہ رہتا انسان ہی ہے۔ کمزور و بے بس۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کسی کا پیشاب بند ہو جائے تو اس تکلیف سے نکلنے کے لئے وہ تمام دنیا کی دولت دینے پر رضی ہو جائے گا، یہ ہے انسان کی بے بسی کا ثبوت۔ پھر اکڑ کس بات پر۔؟ کیا اپنے باس کی بھی تکبر سے نافرمانی کی ہے۔؟ اگر کرنے کی ہمت نہیں، تو پھر اللہ کی نافرمانی کی جرات بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔؟

لیکن سب سے اہم بات تو اللہ تعالی کے اس پیغام کو سمجھنے کی ہے جو وہ یہ واقعہ بیان کر کے ہمیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یعنی اس کی حاکمیت اعلی کو دل سے تسلیم کر کے اس کی مرضی کے مطابق چلا جائے۔ گمراہ کرنے والے ہمارے سیاسی اور مذہبی لیڈران ہی ہیں جیسے کہ قریش کے لیڈر تھے۔ اسی لئے ہمیں سنی سنائی باتوں کی جگہ خود سوچ کر فیصلے کرنے چاہیئں کیونکہ ہمارا یہ بہانہ نہیں چلے گا کہ ہم نے تو فلاں فلاں کے کہنے پر عمل کیا تھا۔ لیڈر ہمیشہ سے لوگوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کر پرے پھینک دیتے ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی عوام کے مفادات کی حفاظت نہیں کی۔ اللہ تعالی ہمیں سوچ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

باقی سوالات کب حل ہوتے ہیں۔؟ یہ وقت کی بات ہے۔ جب علم اور بھی زیادہ وسیع ہو جائے گا۔

میں اللہ تعالی کا پیغام پہنچانے میں کہاں تک اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس ایسا مواد ہو جو اس کوشش کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہو تو برائے مہربانی میرے پتہ پر ضرور لکھیں۔ اور اپنی رائے سے بھی آگاہ کریں تا کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے اضافہ سے (جو کہ شکریہ کے ساتھ ہوگی) اس کتاب کے مندرجات کو زیادہ سے زیادہ مکمل کیا جا سکے۔

اگر میں نے اس حقیر سی کوشش سے آپ سب کو اس پر قائل کر لیا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے ایک خاص سوچ، سمجھ دی ہوتی ہے جو کہ آپ کے علم اور ذاتی تجربہ پر مبنی ہوتی جو دنیا کے کسی اور انسان کو نہیں دی ہوتی، اسی کو علامہ اقبال خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس پر مبنی سوچ کو استعمال کر کے کلام پاک کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس سوچ اور ریسرچ کو شیئر کرنا ضروری ہے۔ تبھی یہ دنیا بہتر سے بہتر رہنے کی جگہ بنتی جائے گی۔ انشاءاللہ۔

آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے۔

۔""۔اے ہمارے رب۔نہ پکڑ ہم کو اگر بھولیں یا خطا کریں،

اے رب ہمارے۔:اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تو نے اگلوں پر،

اے رب ہمارے:اور نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہم کو،:

اور درگزر فرما ہم سے،اور بخش ہم کو،اور رحم کر ہم پر،

:تو ہمارا آقا اور مولی ہے؛

اور مدد کر ہماری قوم کافر پر۔" بقرہ۔286

و ما توفیقی الا با للہ ا عظیم

الحمدللہ رب العالمین۔کہ یہ پروجیکٹ تکمیل کو پہنچا۔

جمعۃ المبارک

گروپ کیپٹن (ر) امتیاز علی

مصنف کا پیغام

یہ e-book کتاب ابھی ایک علمی کاوش ہے اور مسودہ کی شکل میں ہے۔ابھی چھپی نہیں ہے۔یہ مسودہ کاپی رائٹ نہیں ہے۔۔ پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ اس میں کسی قسم کی غلطی ہو تو مطلع فرمائیں۔اگر دلائل میں کمی محسوس کریں تو اپنی تجاویز ضرور بھیجیں۔ اگر کوئی صاحب اس کا انگریزی ترجمہ کر کے مجھے بھیج دیں تو وہ ان کے تعارف اور شکریہ کے ساتھ ویب پر ڈال دی جائے گی۔

اگر اس کتاب کو اس قابل سمجھتے ہیں تو اپنے دوست،احباب سے ضرور شیئر کریں۔

REFERENCES حوالہ جات

1 سورۃ الفیل ترجمہ و مختصر تفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ

2 سورۃ الفیل تفسیر تفہیم القرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ

3 ابرھہ۔ اسلامی انسائکلو پیڈیا

4 اصحاب الفیل۔اسلامی انسائکلو پیڈیا

5 گولی کی قوت ہلاکت.JANE'S WEAPON SYSTEMS 1979

6 گیس گنگرین کی بیماری کی تفصیل